مجموعۂ نظمِ حالی

جس میں مرحوم شمس العلماء مولنا خواجہ الطاف حسین صاحب "حالی" نے اپنے
مختلف اوقات کی لکھی ہوئی سترہ مندرجۂ ذیل نظمیں جمع کی ہیں

برکھا رت۔ نشاطِ امید۔ حبِ وطن۔ مناظرہ رحم و انصاف۔ ننگِ خدمت
مدرسۃ العلوم مسلمانان۔ تعصب و انصاف۔ کلمۃ الحق
مناظرہ واعظ و شاعر۔ جشنِ جوبلی۔ چھوٹا اور
لیکے کا مناظرہ۔ تعلیم مسلمانان۔ جوانمردی
کا کام۔ دربارِ قیصری
دولت اور وقت کا مناظرہ

بار پنجم حسب ایماے جناب آنریری منیجر صاحب بک ڈپو
مدرسۃ العلوم علی گڑھ

باہتمام محمد مقتدی خاں شروانی
مطبع انسٹی ٹیوٹ علی گڈھ کالج میں طبع ہوا
۱۳۳۸ھ ۱۹۱۹ء

تعداد طبع ۱۰۰۰ (اور بک ڈپو مذکور سے شایع ہوا) قیمت (۱۳)

فہرستِ مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً ومصلیاً

۱۸۷۴ء میں جب کہ راقم پنجاب گورنمنٹ بک ڈپو سے متعلق اور لاہور میں مقیم تھا مولوی محمد حسین آزاد کی تحریک اور کرنل ہالرائڈ ڈائرکٹر سررشتہ تعلیم پنجاب کی تائید سے انجمن پنجاب نے ایک مشاعرہ قایم کیا تھا جو ہر مہینہ میں ایک بار انجمن کے مکان میں منعقد ہوتا تھا۔ اس مشاعرہ کا مقصد یہ تھا کہ ایشیائی شاعری جو کہ در بست عشق اور مبالغہ کی جاگیر ہو گئی ہی اُس کو جہاں تک ممکن ہو وسعت دی جائے اور اُس کی بنیاد حقایق و واقعات پر رکھی جائے۔ یہ تحریک اگر پندرہ برس پہلے کی جاتی تو شاید اس پر کوئی ثمرہ مترتب نہ ہوتا۔ کیونکہ جو لوگ ہندوستان میں اُردو نظم پر تھوڑی یا بہت قدرت رکھتے تھے وہ عشقیہ مضامین کی ممارست سے شاعری کو عاشقی کا مرادف جانتے تھے اور مبالغہ کو شعر کے ذاتیات میں داخل سمجھتے تھے وہ واقعہ نگاری اور تصویر حقایق کو منصب شاعری کے خلاف تصور کرتے تھے اُنھوں نے مغربی انشاپردازی کا کوئی نمونہ بھی اپنی زبان میں نہیں دیکھا تھا جس پر وہ اپنی

شاعری کی بنیاد رکھنے کے قابل ہوتے۔ لیکن یہ تحریک خوش قسمتی سے ایسے وقت ہوئی جب کہ اُردو زبان میں مغربی خیالات کی روح پھونکی جا رہی تھی لٹریچر میں بہت سی کتابیں اور مضامین انگریزی سے اُردو میں ترجمہ ہو گئے تھے اور ہوتے جاتے تھے۔ دیسی اخباروں میں بھی جن میں سے سنٹفک سوسائٹی علی گڑھ کا اخبار خصوصیت کے ساتھ ذکر کے قابل ہے اکثر انگریزی آرٹکلوں کے ترجمے ہونے لگے تھے۔ اِن اسباب سے مغربی طرز تحریر اور مغربی طرز بیان آہستہ آہستہ لوگوں کے دلوں میں گھر کرتی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ ۱۸۷۰ء میں سر سیّد احمد خاں نے پرچہ تہذیب الاخلاق جاری کیا جس کے سبب سے مسلمانوں کے خیالات میں جو لٹریچر کا صحیح مذاق رکھتے تھے بہت جلد ایک انقلابِ عظیم پیدا ہو گیا۔ اُردو فارسی انشا پردازی کا قدیم طریقہ اُن کی نظر میں نہایت سخیف اور سبک معلوم ہونے لگا اور اپنی شاعری کو وہ حقارت کی نگاہ سے دیکھنے لگے۔ اگرچہ مغربی شاعری کا کوئی عمدہ نمونہ اُس وقت اُردو زبان میں موجود نہ تھا اور نہ اب تک موجود ہے لیکن وہ جو مشہور ہے کہ "دیوانہ را ہوئے بس ست" جدّت پسند طبیعتوں پر جس قدر مغربی انشا پردازی کی نے اب تک کھلی تھی وہی اُن کو لی اڑی بہت سے موزوں طبع اور بعضے کہنہ مشق بھی جن پر قدیم شاعری کا رنگ چڑھ چکا تھا اس مشاعرہ میں شریک ہونے لگے۔ اگرچہ یہ صحبت مدّت تک جمی رہی لیکن راقم صرف چار جلسوں میں شریک ہونے پایا تھا کہ بہ سبب ناموافقت آب و ہوا

کے لاہور سے تبدیل ہو کر دلّی چلا آیا۔ مجھ کو مغربی شاعری کے اصول سے نہ اُس وقت کچھ آگاہی تھی اور نہ اب ہی نیز میرے نزدیک مغربی شاعری کا پورا پورا تتبع ایک ایسی نامکمل زبان میں جیسی کہ اُردو ہی ہو بھی نہیں سکتا۔ البتہ کچھ تو میری طبیعت مبالغہ اور اغراق سے بالطبع نفور تھی اور کچھ اس نئے چرچے نے اُس نفرت کو زیادہ مستحکم کر دیا۔ اس بات کے سوا میرے کلام میں کوئی چیز ایسی نہیں ہی جس سے انگریزی شاعری کے تتبع کا دعوٰی کیا جا سکے یا اپنے قدیم طریقہ کے ترک کرنے کا الزام عاید ہو۔

چار مثنویاں جو اس مجموعہ میں سب سے اوّل درج کی گئی ہیں یعنی برکھا رت نشاطِ اُمید، حبِ وطن اور مناظرہ رحم و انصاف اُسی مشاعرہ کی نظمیں ہیں جو مشاعروں کی ترتیب کے موافق اس کتاب میں داخل کی گئی ہیں۔ اُن کے بعد جو کچھ لکھا گیا ہی اُس کو مشاعرہ مذکور سے کچھ تعلق نہیں ہی۔ محض بہ تقاضای وقت و مقتضائے طبیعت یا بہ تحریک بعض اکابر قوم وقتاً بعدَ وقتٍ وحیناً بعدَ حینٍ ترتیب پاکر اُن میں سے چند عام طور پر شایع ہو گئی ہیں اور چند بالکل شایع نہیں ہوئیں اور کچھ اخباروں وغیرہ کے ذریعے سے بعض احباب نے پبلک کی نذر کی ہیں۔

میرے اکثر دوست مدّت سے متقاضی تھے کہ اپنے تمام ہفوات ایک جگہ جمع کر کے نکتہ نواز دوستوں سے داد، اور نکتہ گیر یاروں سے اپنے کلام کی اصلاح میں امداد لوں۔ لیکن جو نظمیں عام طور پر شایع ہو رہی ہیں جیسے مد و جزر اسلام

مناجاتِ بیوہ، حقوقِ اولاد، شکوۂ ہند وغیرہ ان کو اِس مجموعہ میں داخل کرنے کی کچھ ضرورت نہ تھی۔ اور دیوان غزلیات و قطعات و رُباعیات وغیرہ میں ابھی کچھ اور بڑھانا باقی تھا اس لیے ان کو چھوڑ کر باقی اکثر نظمیں جو ۱۸۷۴ء سے اب تک لکھی گئی ہیں سب ہدیۂ ناظرین کی جاتی ہیں۔

میں اپنے قدیم مذاق کے دوستوں اور ہم وطنوں سے جو کسی قسم کی جدّت کو پسند نہیں کرتے معافی چاہتا ہوں کہ اس مجموعہ میں اُن کی ضیافتِ طبع کا کوئی سامان مجھ سے مہیا نہیں ہو سکا اور اُن صاحبوں کے سامنے جو مغربی شاعری کی ماہیت سے واقف ہیں اعتراف کرتا ہوں کہ طرزِ جدید کا حق ادا کرنا میری طاقت سے باہر تھا۔ البتہ میں نے اُردو زبان میں نئی طرز کی ایک ادھوری اور نا پایدار بنیاد ڈالی ہے۔ اس پر عمارت چننی اور اس کو ایک قصرِ رفیع الشان بنانا ہماری آیندہ ہونہار اور مبارک نسلوں کا کام ہے جن سے اُمید ہے کہ اِس بنیا کو نا تمام نہ چھوڑینگے ؎

یارہ در خاکِ معنی تخمِ سعی افشاندہ ایم
بو کہ بعد از ما شود ایں تخم نخلِ باردار

برکھا رت

(مرتبہ ۱۸۷۴ء)

گرمی کی تپش بجھانے والی — سردی کا پیام لانے والی

قدرت کے عجائبات کی کان — عارف کے لیئے کتاب عرفان

وہ شاخ و درخت کی جوانی — وہ مور و ملخ کی زندگانی

وہ سارے برس کی جان برسات — وہ کون ؟ خدا کی شان برسات

آئی ہے بہت دعاؤں کے بعد — اور سینکڑوں التجاؤں کے بعد

وہ آئی تو آئی جان میں جان — سب تھے کوئی دن کے ورنہ مہمان

گرمی سے تڑپ رہے تھے جاندار — اور دھوپ میں تپ رہے تھے کہسار

بھوبل سے سوا تھا ریگِ صحرا — اور کھول رہا تھا آبِ دریا

تھی لوٹ سی پڑ رہی چمن میں — اور آگ سی لگ رہی تھی بن میں

سانڈے تھے بلوں میں منہ چھپائے — اور ہانپ رہے تھے چارپائے

تھیں لومڑیاں زباں نکالے — اور لُو سے ہرن ہوئے تھے کالے

چیتوں کو نہ تھی شکار کی سُدھ — ہرنوں کو نہ تھی قطار کی سُدھ

تھے شیر پڑے کچھار میں سست — گھڑیال تھے رود بار میں سست

ڈھوروں کا ہوا تھا حال پتلا — بیلوں نے دیا تھا ڈال کندھا

بھینسوں کے لہو نہ تھا بدن میں — اور دودھ نہ تھا گئو کے تھن میں

گھوڑوں کا چھٹا تھا گھاس دانہ — تھا پیاس کا اُن پہ تازیانہ

گرمی کا لگا ہوا تھا بھبکا — اور النس نکل رہا تھا سب کا

طوفان تھے آندھیوں کے برپا — اُٹھتا تھا بگولے پر بگولا

آرے تھے بدن پہ لُو کے چلتے — شعلے تھے زمین سے نکلتے

تھی آگ کا دے رہی ہوا کام — تھا آگ کا نام مُفت بدنام

رستوں میں سوار اور پیدل — سب دھوپ کے ہات سے تھے بیکل

گھوڑوں کے نہ آگے اُٹھتے تھے پاؤں — ملتی تھی کہیں جو رُوکھ کی چھاؤں

تھی سب کی نگاہ سوئے افلاک — پانی کی جگہ برستی تھی خاک

پنکھے سے نکلتی جو ہوا تھی — وہ بادِ سموم سے سوا تھی

بجھتی نہ تھی آتشِ درونی — لگتی تھی ہوا سے آگ دُونی

سات آٹھ بجے سے دن چھپے تک — جانداروں پہ دھوپ کی تھی دستک

ٹٹی میں تھا دن گنواتا کوئی — تہ خانے میں مُنھ چھپاتا کوئی

بازار پڑے تھے سارے سنسان — آتی تھی نظر نہ شکلِ انسان

جلتی تھی دکان جن کی دن رات — بیٹھے تھے وہ ہات پر دھرے ہات

خلقت کا ہجوم کچھ اگر تھا | یا پیاؤ پہ یا سبیل پر تھا
تھا شہر میں قحط آدمی زاد | سلطانؔ کا اِک کنواں تھا آباد
پانی سے تھی سب کی زندگانی | میلا تھا وہیں جہاں تھا پانی
تھیں برف پہ نیتیں لپکتی | فالودے پہ رال تھی ٹپکتی
پھل پھول کی دیکھ کر طراوت | پاتے تھے دل و جگر طراوت
کنجڑوں کی وہ بولیاں سہانی | بھر آتا تھا سن کے منھ میں پانی
تھے جو خفقانی اور مراقی | گرمی سے نہ تھا کچھ اُن میں باقی
کھانے کا نہ تھا اُنھیں مزا کچھ | آٹھ آٹھ پہر نہ تھی غذا کچھ
بِن کھائے کئی کئی دن اکثر | رہتے تھے فقط ٹھنڈائیوں پر
شب کٹتی تھی ایڑیاں رگڑتے | مر بیٹھ کے صبح تھے پکڑتے
اور صبح سے شام تک برابر | تھا العطش العطش زباں پر
بچّوں کا ہوا تھا حال بے حال | کملائے ہوئے تھے پھول سے گال
آنکھوں میں تھا اُن کا پیاس سے دم | تھے پانی کو دیکھ کرتے مم مم
ہر بار پکارتے تھے ماں کو | ہونٹوں پہ تھے پھیرتے زباں کو
پانی دیا گر کسی نے لا کر | پھر چھوڑتے تھے نہ منھ لگا کر

؎ لاہور میں جہاں یہ مثنوی لکھی گئی تھی ایک سلطان کا کنواں مشہور ہے جس کا پانی نہایت ٹھنڈا ہوتا ہے اور گرمی کے موسم میں وہاں آدمیوں کا نہایت ہجوم رہتا ہے ۱۲

بچے ہی نہ پیاس سے تھے مضطر | تھا حال بڑوں کا اُن سے بدتر
تخصیص تھی کچھ نہ میری تیری | پانی سے نہ تھی کسی کو سیری

کل شام تلک تو تھے یہی طور | پر رات سے ہے سماں ہی کچھ اور
پُروا کی دُہائی پھر رہی ہے | پچھوا سے خدائی پھر رہی ہے
برسات کا بج رہا ہے ڈنکا | اِک شور ہے آسماں پہ برپا
ہے ابر کی فوج آگے آگے | اور پیچھے ہیں دَل کے دَل ہوا کے
ہیں رنگ برنگ کے رسالے | گورے ہیں کہیں کہیں ہیں کالے
ہے چرخ پہ چھاونی سی چھاتی | اک آتی ہے فوج ایک جاتی
جاتے ہیں مہم پہ کوئی جانے | ہمراہ ہیں لاکھوں توپ خانے
توپوں کی ہے جب کہ باڑھ چلتی | چھاتی ہے زمین کی دہلتی
مینہ کا ہے زمین پر دڑیڑا | گرمی کا ڈبو دیا ہے بیڑا
بجلی ہے کبھی جو کوند جاتی | آنکھوں میں ہے روشنی سی آتی
گھنگھور گھٹائیں چھا رہی ہیں | جنّت کی ہوائیں آ رہی ہیں
کوسوں ہے جدھر نگاہ جاتی | قدرت ہے نظر خدا کی آتی
سُورج نے نقاب لی ہے منہ پر | اور دھوپ نے تہ کیا ہے بستر
باغوں نے کیا ہے غسلِ صحت | کھیتوں کو ملا ہے سبز خلعت

بٹیا ہی نہ ہے سڑک نمودار — اٹکل سے ہیں راہ چلتے رہوار

ہر سنگ و شجر کی ایک وردی — عالم ہے تمام لاجوردی

پھولوں سے پٹے ہوئے ہیں کہسار — دولھا سے بنے ہوئے ہیں اشجار

پانی سے بھرے ہوئے ہیں جل تھل — ہے گونج رہا تمام جنگل

کرتے ہیں پپیہے پیہو پیہو — اور مور چنگھاڑتے ہیں ہرسُو

کوئل کی ہے کوک جی لُبھاتی — گویا کہ ہے دل میں بیٹھی جاتی

مینڈک جو ہیں بولنے پہ آتے — سنسار کو سر پہ ہیں اُٹھاتے

سب خوانِ کرم سے حق کے ہیں سیر — پانی میں مگر کھ‍ـاز میں شیر

زردار ہیں اپنے مال میں مست — قلاش ہیں اپنی کھال میں مست

ابر آیا ہے گھر کے آسماں پر — کلمے ہیں خوشی کے ہر زباں پر

مسجد میں ہیں وردِ اہلِ تقویٰ — یَا رَبِّ لَنَا وَلَا عَلَیْنَا

مندر میں ہے ہر کوئی یہ کہتا — کرپا ہوئی تیری میگھ راجا

کرتے ہیں گرو گرو گرنتھی — گاتے ہیں بھجن کبیر پنتھی

جاتا ہے کوئی ملار گاتا — ہے دیس میں کوئی گنگناتا

بھنگی ہیں نشے میں گاتے پھرتے — اور بانسریاں بجاتے پھرتے

سُر دن کوئی گا رہا ہے بیٹھا — چھیڑا ہے کسی نے ہیر رانجھا

رکھشک جو بڑے ہیں جین مت کے — ڈھکنے ہیں دیوں پہ ڈھکتے پھرتے

کرتے ہیں وہ یوں جیوں کی رکھیا　　تا جل نہ سکے کوئی پتنگا

ہیں شکر گزار تیرے برسات　　انسان سے لے کے تا جمادات

دنیا میں بہت تھی چاہ تیری　　سب دیکھ رہے تھے راہ تیری

تجھ سے ہی کھلا یہ رازِ قدرت　　راحت ملتی ہے بعدِ کلفت

شکریۂ فیضِ عام تیرا　　پیشانیِ دہر پر ہے لکھا

گلشن کو دیا جمال تو نے　　کھیتی کو کیا نہال تو نے

طاؤس کو ناچنا بتایا　　کوئل کو الاپنا سکھایا

جب مور ہے ناچنے پہ آتا　　آپے سے ہے اپنے گزرا جاتا

کوئل کو نہیں قرار اک پل　　ایسی کوئی تو نے کوک دی کل

شب بھر میں ہوا سماں دگرگوں　　کیا پڑھ دیا آکے تو نے افسوں

سوئے تو اساڑھ کا عمل تھا　　اُٹھے تو سماں ہی ماہ کا سا

لاہور میں شب ہوئی تھی لیکن　　کشمیر میں پہنچے جب ہوا دن

امرت سا ہوا میں بھر دیا کچھ　　اک رات میں کچھ سے کر دیا کچھ

دریا تجھ بن سسک رہے تھے　　اور بن تری راہ تک رہے تھے

دریاؤں میں تو نے ڈال دی جان　　اور تجھ سے بنوں کو لگ گئی شان

جن جھیلوں میں کل تھی خاک اڑتی　　ملتی نہیں آج تھاہ ان کی

جو دانے تھے خاک میں پریشان | سب آ کے چڑھائے تو نے پروان
دولت جو زمین میں تھی مخفی | آ گے ترے اُس نے سب اُگل دی
پڑتے تھے ڈلاؤ جس زمیں پر | وہاں سبزۂ و گُل ہیں جلوہ گستر
جن پودوں کو کل تھے ڈھو پیرتے | باتیں ہیں وہ آسماں سے کرتے
جن باغوں میں اُڑتے تھے بگولے | وہاں سیکڑوں اب پڑے ہیں جھولے
تھے ریت کے جس زمیں پہ انبار | ہے بیر بہٹیوں سے گلنار

کم باغوں میں جا بجا گڑے ہیں | جھولے ہیں کہ سو بہ سو پڑے ہیں
کچھ لڑکیاں بالیاں ہیں کم سن | جن کے ہیں یہ کھیل کود کے دن
ہیں پھول رہی خوشی سے ساری | اور جھول رہی ہیں باری باری
جب گیت ہیں سارے ملکے گاتی | جنگل کو ہیں سر پہ وہ اُٹھاتی
اِک سب کو کھڑی جھلا رہی ہے | اِک گرنے سے خوف کھا رہی ہے
ہے اُن میں کوئی ملار گاتی | اور دوسری پینگ ہے چڑھاتی
گاتی ہے کبھی کوئی ہنڈولا | کہتی ہے کوئی بدیسی ڈھولا
اِک جھولے سے وہ گری ہے جا کر | سب ہنستی ہیں قہقہے لگا کر
ندی نالے چڑھے ہوئے ہیں | تیراکوں کے دل بڑھے ہوئے ہیں
گھڑناؤ پہ ہے سوار کوئی | اور تیر کے پہنچا پار کوئی

بگلوں کی ہیں ڈاریں آگے گرتی — مرغابیاں تیرتی ہیں پھرتی
پھیلے ہیں یہ پاٹ ندیوں کے — دن بھر میں ہیں بیڑے جا کے لگتے
زوروں پہ چڑھا ہوا ہے پانی — موجوں کی ہیں صورتیں ڈراتی
ناویں ہیں کہ ڈگمگا رہی ہیں — موجوں کے تھپیڑے کھا رہی ہیں
ملاحوں کے اُڑ رہے ہیں اوسان — بیڑے کا خدا ہی ہے نگہبان
منجدھار کی رَو بھی زور پر ہے — مچھلی کو بھی جان کا خطر ہے

بیزار اِک اپنے جان و تن سے[۱] — بچھڑا ہوا صحبتِ وطن سے
غربت کی صعوبتوں کا مارا — چلنے کا نہیں ہی جس کو یارا
غمخوار ہی کوئی اور نہ دلجو — اِک باغ میں ہی پڑا لبِ جو
ہیں دھیان میں کلفتیں سفر کی — آپے کی خبر ہے اور نہ گھر کی
ابر اتنے میں اک طرف سے اُٹھا — اور رنگ سا کچھ ہَوا کا بدلا
برق آ کے لگی تڑپنے پیہم — اور پڑنے لگی پھوار کم کم
آنے جو لگے ہَوا کے جھوکے — تھے جتنے سفر کے رنج بھولے
سامان ملے جو دل لگی کے — یاد آئے مزے کبھی کبھی کے

---

[۱] یہاں سے اخیر تک کچھ اشعار بہ رعایت موسم اپنے حسب حال بے اختیار قلم سے ٹپک پڑے ہیں۔ ان دنوں ہجوم امراض اور دیگر عوارض کی وجہ سے لاہور میں رہنا فی الواقع نہایت شاق معلوم ہوتا تھا اور وطن کی طرف واپس آنے کے لیئے کوشش کی جاتی تھی ۱۲

دیکھے کوئی اُس گھڑی کا عالم　　وہ آنسوؤں کی جھڑی کا عالم

وہ آپ ہی آپ گُن گُنانا　　اور جوش میں آ کبھی یہ گانا

اے چشمۂ آبِ زندگانی　　گھٹیو نہ کبھی تری روانی

جاتی ہی جدھر تری سواری　　بستی ہی اُسی طرف ہماری

پائے جو کہیں مری سبھا کو　　دیتا ہوں میں بیچ میں خدا کو

اوّل کہیو سلام میرا　　پھر دیجیو یہ پیام میرا

قسمت میں یہی تھا اپنی لکّھا　　فرقت میں تمھاری آئی برکھا

آتا ہی تمھارا دھیان جس دم　　مرغابیاں تیرتی ہیں باہم

ہم تم یونہیں صُبح و شام اکثر　　تالاب میں تیرتے تھے جا کر

جب سبزہ و گُل ہیں لہلہاتے　　صُحبت کے مزے ہیں یاد آتے

ہم تم یونہیں ہاتھ میں دیئے ہات　　پھرتے تھے ہوائیں کھاتے دن رات

جب پیڑ سے آم ہے ٹپکتا　　میں تم کو اِدھر اُدھر ہوں تکتا

آخر نہیں پاتا جب کسی کو　　دیتا ہوں دعائیں بیکسی کو

رُت آم کی آئے اور نہوں یار　　جی اپنا ہی ایسی رُت سے بیزار

تم بن جو ہی بوند تن پہ پڑتی　　چنگاری سی ہی بدن پہ پڑتی

ہی سرد ہوا بدن کو لگتی　　پر دل میں ہی آگ سی سُلگتی

پردیس میں سچ ہی کیا ہو جی شاد　　جب جی میں بھری ہو دیس کی یاد

نشتر کی طرح تھی دل میں چبھتی　　فریاد یہ دردناک اُس کی

تھا سوز میں کچھ ملا ہوا ساز　　پکڑا دل سُن کے اُس کی آواز

حیرت رہی دیر تک کہ آخر　　روتا ہی کہاں کا یہ مُسافر

پھر غور سے اِک نظر جو ڈالی

نکلا وہ ہمارا دوست حالی

نشاطِ امّید

(مرتّبہ ۱۸۷۴ء)

اے مری اُمید مری جاں نواز ۔ اے مری دل سوز مری کارساز
میری سپر اور مرے دل کی پناہ ۔ درد و مُصیبت میں مری تکیہ گاہ
عیش میں اور رنج میں میری شفیق ۔ کوہ میں اور دشت میں میری رفیق
کاٹنے والی غمِ ایّام کی ۔ تھامنے والی دلِ ناکام کی
دل پہ پڑا آن کے جب کوئی دُکھ ۔ تیرے دلاسے سے ملا ہم کو سُکھ
تو نے نہ چھوڑا کبھی غربت میں ساتھ ۔ تو نے اُٹھایا نہ کبھی سر سے ہاتھ
جی کو ہوا گر کبھی عسرت کا رنج ۔ کھول دیئے تو نے قناعت کے گنج
تجھ سے ہی محتاج کا دل بے ہراس ۔ تجھ سے ہی بیمار کو جینے کی آس
خاطرِ رنجور کا درماں ہے تو ۔ عاشقِ مہجور کا ایماں ہے تو
نوح کی کشتی کا سہارا تھی تو ۔ چاہ میں یوسف کی دل آرا تھی تو
رام کے ہمراہ چڑھی رن میں تو ۔ پانڈوں کے بھی ساتھ پھری بن میں تو
تو نے سدا قیس کا بہلایا دل ۔ تھام لیا جب کبھی گھبرایا دل
ہو گیا فرہاد کا قصّہ تمام ۔ پر ترے فقروں پہ رہا خوش مدام

تو نے ہی رانجھے کی یہ بندھوائی آس — ہیر بھی فرقت میں بھی گویا کہ پاس

ہوتی ہے تو پشت پہ ہمّت کی جب — مشکلیں آساں نظر آتی ہیں سب

ہاتھ میں جب آکے لیا تو نے ہاتھ — سات سمندر سے گزرنا ہے بات

ساتھ ملا جس کو ترا دو قدم — کہتا ہے وہ یہ ہے عرب اور عجم

گھوڑے کی لی اپنے جہاں تو نے باگ — سامنے ہی تیرے گیا اور پراگ

عزم کو جب دیتی ہے تو میلِ جَبت — گنبدِ گردوں نظر آتا ہے پست

تو نے دیا آکے اُبھارا جہاں — سمجھے کہ مٹھّی میں ہے سارا جہاں

ذرّے کو خورشید میں دے تو کھپا — بندے کو اللہ سے دے تو ملا

دونوں جہاں کی ہے بندھی تجھ سے لڑ — دین کی تو اصل ہے دنیا کی جڑ

نیکیوں کی تجھ سے ہے قایم اساس — تو نہ ہو تو جائیں نہ نیکی کے پاس

دین کی تجھ بن کہیں پرسش نہو — تو نہو تو حق کی پرستش نہ ہو

خشک تھا بن تیرے درختِ عمل — تو نے لگائے ہیں یہ سب پھول پھل

دل کو لُبھاتی ہے کبھی بن کے حور — گاہ دکھاتی ہے شرابِ طہور

نام ہے سدرہ بھی طوبیٰ ترا — روز نرالا ہے تماشا ترا

کوثر و تسنیم ہے یا سلسبیل — جلوے ہیں سب تیرے یہ بے قال و قیل

روپ ہیں ہر پنتھ میں تیرے الگ — ہے کہیں فردوس کہیں ہے سُرگ

چھوٹ گئے سارے قریب اور بعید — ایک نہ چھوٹی تو نہ چھوٹی امید

تیرے ہی دم سے کٹے جو دن تھے سخت — تیرے ہی صدقہ سے ملا تاج و تخت

خاکیوں کی تجھ سے ہی ہمت بلند — تو نہ ہو تو کام ہوں دنیا کے بند

تجھ سے ہی آباد ہی کون و مکاں — تو نہ ہو تو ہو ابھی برہم جہاں

کوئی پڑا پھرتا ہے بہر معاش — ہی کوئی اکسیر کو کرتا تلاش

ایک تمنا میں ہے اولاد کی — ایک کو دلدار کی ہی لو لگی

ایک کو ہی دھن کہ جو کچھ ہاتھ آئے — دھوم سے اولاد کی شادی رچائے

ایک کو کچھ آج اگر مل گیا — کل کی ہی یہ فکر کہ کھائیں گے کیا

قوم کی بہبود کا بھوکا ہی ایک — جس میں ہو اُن کے لئے انجام نیک

ایک کو ہی تشنگیِ قربِ حق — جس نے کیا دل سی جگر تک ہی شق

جو ہی غرض اُس کو نئی جستجو — لاکھ اگر دل ہیں تو لاکھ آرزو

تجھ سے ہیں دل سب کے مگر باغ باغ — گل کوئی ہونے نہیں پاتا چراغ

سب یہ سمجھتے ہیں کہ پائی مراد — کہتی ہی جب تو کہ اب آئی مراد

وعدہ ترا راست ہو یا ہو دروغ — تو نے دیئے ہیں اُسے کیا کیا فروغ

وعدے وفا کرتی ہی گو چند تو — رکھتی ہی ہر ایک کو خورسند تو

بھاتی ہی سب کو تری لیت و لعل — تو نے کہاں سیکھی ہی یہ آج کل

تلخ کو چاہے تو تو شیریں کرے — بزمِ عزا کو طرب آگیں کرے

آنے نہ دے رنج کو مفلس کے پاس — رکھے غنی اُس کو ہے جس کی یاس

یاس کا پاتی ہی جو تو کچھ لگاؤ — سیکڑوں کرتی ہی اُتار اور چڑھاؤ

آنے نہیں دیتی دلوں پر ہراس — ٹوٹنے دیتی نہیں طالب کی آس

جن کو میسر نہیں کملی پھٹی — خوش ہیں توقع پہ وہ زربفت کی

چٹنی سے روٹی کا ہی جن کی بناؤ — بیٹھے پکاتے ہیں خیالی پلاؤ

پاؤں میں جوتی نہیں پر ہی یہ ذوق — گھوڑا جو سبزہ ہو تو نیلا ہو طوق

فیض کے کھولے ہیں جہاں تو نے باب — دیکھتے ہیں جھونپڑے محلوں کے خواب

تیرے کرشمے ہیں غضب دلفریب — دل میں نہیں چھوڑتے صبر و شکیب

بجھ سے مہوّس نے جو شوری لیا — پھونک دیا کان میں کیا جانے کیا

دل سے بھلایا زن و فرزند کو — لگ گیا گھُن نخلِ برومند کو

کھانے سے پینے سے ہو اسر دجی — ایسی کچھ اکسیر کی ہی لَو لگی

دین کی ہی فکر نہ دنیا سے کام — دھن ہی یہی رات دن اور صبح و شام

دھونکنی ہی بیٹھ کے جب دھونکتا — شہ کو سمجھتا ہے اک ادنیٰ گدا

پیسے کو جب تاؤ پہ دیتا ہی تاؤ — پوچھتا یاروں سے ہی سونے کا بھاؤ

کہتا ہی جب ہنستے ہیں سب دیکھکر — "رہ گئی اک آنچ کی باقی کسر"

ہی اسی دھندے میں وہ آسودہ حال — تو نے دیا عقل پہ پردہ سا ڈال

تول کے گر دیکھئیے اُس کی خوشی — کوئی خوشی اُس کو نہ پہنچے کبھی

پھرتے ہیں محتاج کئی تیرہ بخت — جن کے بڑوں میں تھا کبھی تاج و تخت
آج جو برتے ہیں توکل گھر گرد — ملتی ہے مشکل سے انھیں نانِ جو
تیرے سوا خاک نہیں اُن کے پاس — ساری خدائی میں ہے لے دے کے آس
پھولے سماتے نہیں اس آس پر — "صاحبِ عالم" انھیں کہیئے اگر
کھاتے ہیں اس آس پہ قسمیں عجیب — "چھوٹے کو ہو تخت نہ یارب نصیب"

ہوتا ہے نومیدیوں کا جب ہجوم — آتی ہے حسرت کی گھٹا جھوم جھوم
لگتی ہے ہمت کی کمر ٹوٹنے — حوصلہ کا لگتا ہے جی چھوٹنے
ہوتی ہے بے صبری و طاقت میں جنگ — عرصہ عالم نظر آتا ہے تنگ
جی میں یہ آتا ہے کہ سم کھائیے — پھاڑ کے یا کپڑے نکل جائیے
بیٹھنے لگتا ہے دل آوے کی طرح — یاس ڈراتی ہے چھلاوے کی طرح
ہوتا ہے شکوہ کبھی تقدیر کا — اُڑتا ہے خاکہ کبھی تدبیر کا
ٹھنتی ہے گردوں سے لڑائی کبھی — ہوتی ہے قسمت کی ہنسائی کبھی
جاتا ہے قابو سے دل آخر نکل — کرتی ہے ان مشکلوں کو تو ہی حل
کان میں پہنچی تری آہٹ جو ہیں — رختِ سفر یاس نے باندھا وہیں
ساتھ گئی یاس کے پژمردگی — ہو گئی کافور سب افسردگی

تجھ میں چھپا راحتِ جاں کا ہے بھید
چھوڑیو حالیؔ کا نہ ساتھ اے اُمید

حبِّ وطن

(مرتبہ ۱۸۷۴ء)

اے سپہرِ بریں کے سیارو — اے فضائے زمیں کے گلزارو

اے پہاڑوں کی دلفریب فضا — اے لبِ جو کی ٹھنڈی ہوا

اے عنادل کے نغمۂ سحری — اے شبِ ماہتاب تاروں بھری

اے نسیمِ بہار کے جھونکو — دہرِ ناپائدار کے دھوکو

تم ہر اک حال میں ہو یوں تو عزیز — تھے وطن میں مگر کچھ اور ہی چیز

جب وطن میں ہمارا تھا رہنا — تم سے دل باغ باغ تھا اپنا

تم مری دل لگی کے ساماں تھے — تم مرے دردِ دل کے درماں تھے

تم سے کٹتا تھا رنجِ تنہائی — تم سے پاتا تھا دل شکیبائی

آن اک اک تمہاری بھاتی تھی — جو ادا تھی وہ جی لبھاتی تھی

کرتے تھے جب تم اپنی غمخواری — دھوئی جاتی تھیں کلفتیں ساری

جب ہوا کھانے باغ جاتے تھے — ہو کے خوشحال گھر میں آتے تھے

بیٹھ جاتے تھے جب کبھی لبِ آب — دھو کے اٹھتے تھے دل کے داغِ عتاب

کوہ و صحرا و آسمان و زمیں — سب مری دل لگی کی شکلیں تھیں

پر چھٹا جب سے اپنا ملک و دیار — جی ہوا تم سے خود بخود بیزار

نہ گلوں کی ادا خوش آتی ہے — نہ صدا بلبلوں کی بھاتی ہے
سیرِ گلشن ہی جی کا اِک جنجال — شبِ مہتاب جان کو ہے وبال
کوہ و صحرا سے تالبِ دریا — جس طرف جائیں جی نہیں لگتا
کیا ہوئے وہ دن اور وہ راتیں — تم میں اگلی سی اب نہیں باتیں
ہم ہی غربت میں ہو گئے کچھ اور — یا تمھارے ہی کچھ بدل گئے طور
گو وہی ہم ہیں اور وہی دُنیا — پر نہیں ہم کو لطف دُنیا کا

اے وطن اے مرے بہشتِ بریں — کیا ہوئے تیرے آسمان و زمیں
رات اور دن کا وہ سماں نہ رہا — وہ زمیں اور وہ آسماں نہ رہا
تیری دُوری ہے موردِ آلام — تیرے چھٹنے سے چھُٹ گیا آرام
کاٹے کھاتا ہی باغ بن تیرے — گُل ہیں نظروں میں داغ بن تیرے
مٹ گیا نقش کامرانی کا — تجھ سے تھا لطف زندگانی کا
جو کہ رہتے ہیں تجھ سے دُور سدا — اُن کو کیا ہوگا زندگی کا مزا
ہو گیا یہاں تو دو ہی دن میں یہ حال — تجھ بن ایک ایک پل ہی ایک ایک سال
سچ بتا تو سبھی کو بھاتا ہے — یا کہ مجھ سے ہی تیرا ناتا ہے
میں ہی کرتا ہوں تجھ پہ جان نثار — یا کہ دنیا ہی تیری عاشقِ زار
کیا زمانے کو تو عزیز نہیں؟ — اے وطن تو تو ایسی چیز نہیں!

جن و انسان کی حیات ہی تو | مرغ و ماہی کی کائنات ہے تو
ہی نباتات کا نمو تجھ سی | رُو کھ تجھ بن ہرے نہیں ہوتے
سب کو ہوتا ہی تجھ سے نشو و نما | سب کو بھاتی ہی تیری آب و ہوا
تیری اک مشتِ خاک کے بدلے | لوں نہ ہرگز اگر بہشت ملے
جان جب تک نہو بدن سے جُدا | کوئی دشمن نہو وطن سے جدا

حملہ جب قومِ آریا نے کیا | اور بجا اُن کا ہند میں ڈنکا
ملک والے بہت سے کام آئے | جو بچے وہ غلام کہلائے
شُدر کہلائے راکشش کہلائے | رنج پردیس کے مگر نہ اُٹھائے
گو غلامی کا لگ گیا دھبّا | نہ چُھٹا اُن سے دیس پر نہ چھٹا

قدر اے دل وطن میں رہنے کی | پوچھے پردیسیوں کے جی سے کوئی
جب ملا رام چندر کو بن باس | اور نکلا وطن سے ہو کے اُداس
باپ کا حکم رکھ لیا سر پر | پر چلا ساتھ لے کے داغِ جگر
پاؤں اُٹھتا تھا اُس کا بَن کی طرف | اور کھنچتا تھا دل وطن کی طرف
گزرے غربت میں اس قدر جو سال | پر نہ بھولا اجدّھیا کا خیال
دیس کو بَن میں جی بھٹکتا رہا | دل میں کانٹا سا اک کھٹکتا رہا

تیرا اک دل میں آ کے لگتا تھا — آتی تھی جب ابدّھیا کی ہوا
کٹنے چودہ برس ہوئے تھے محال — گویا ایک ایک جُگ تھا ایک اک سال

ہوئے یثرب کی سمت جب راہی — سیّد البطحیٰ کے ہمراہی
رشتے الفت کے سارے توڑ چلے — اور بالکل وطن کو چھوڑ چلے
گو وطن سے چلے تھے ہو کے خفا — پر وطن میں تھا سب کا جی اٹکا
دل لگی کے بہت ملے ساماں — پر نہ بھولے وطن کی ریگستاں
دل میں آٹھوں پہر کھٹکتے تھے — سنگریزے زمین بطحا کے
گھر جفاؤں سے جن کی چھوٹا تھا — دل سے رشتہ نہ اُن کا ٹوٹا تھا

ہوئیں یوسف کی سختیاں جب دُور — اور ہوا ملکِ مصر پر مامور
مصر میں چار سو تھا حکم رواں — آنکھ تھی جانب وطن نگراں
یادِ کنعاں جب اُس کو آتی تھی — سلطنت ساری بھول جاتی تھی
دُکھ اُٹھائے تھے جس وطن میں سخت — تاج بھاتا تھا اُس بغیر نہ تخت
جن سے دیکھی تھی سخت بے مہری — لَو تھی اُن بھائیوں کی دل کو لگی

ہم بھی حبِّ وطن میں گو ہیں غرق — ہم میں اور اُن میں ہے مگر یہ فرق

ہم ہیں نامِ وطن کے دیوانے　　وہ تھے اہلِ وطن کے پروانے
جس نے یوسف کی داستان ہے سُنی　　جانتا ہوگا روئداد اُس کی
مصر میں قحط جب پڑا آکر　　اور ہوئی قوم بھوک سے مضطر
کر دیا وقف اُن پہ بیت المال　　لب تک آنے دیا نہ حرفِ سوال
کھتّیاں اور کوٹھے کھول دیئے　　مُفت سارے ذخیرے تول دیئے
قافلے خالی ہات آتے تھے　　اور بھرپور یہاں سے جاتے تھے
یوں گئے قحط کے وہ سال گزر　　جیسے بچّوں کی بھوک وقتِ سحر

اے دل اے بندۂ وطن ہشیار　　خوابِ غفلت سے ہو ذرا بیدار
او شرابِ خودی کے متوالے　　گھر کی چوکھٹ کے چومنے والے
نام ہے کیا اسی کا حُبّ وطن　　جس کی تجھ کو لگی ہوئی ہے لگن
کبھی بچّوں کا دھیان آتا ہے　　کبھی یاروں کا غم ستاتا ہے
یاد آتا ہے اپنا شہر کبھی　　لو کبھی اہلِ شہر کی ہے لگی
نقش ہیں دل پہ کوچہ و بازار　　پھرتے آنکھوں میں ہیں در و دیوار
کیا وطن کی یہی محبّت ہے؟　　یہ بھی الفت میں کوئی الفت ہے؟
اس میں انساں سے کم نہیں ہیں دند　　اس سے خالی نہیں چرند و پرند
کڑھتے ہوتے ہیں سنگِ غربت میں　　سوکھ جاتے ہیں دکھ فرقت میں
جا کے کابل میں آم کا پودا　　کبھی پروان چڑھ نہیں سکتا

آ کے کابل سے یاں بھی وانار | ہو نہیں سکتے بار ور زنہار
مچھلی جب چھوٹتی ہے پانی سے | ہات دھوتی ہے زندگانی سے
آگ سے جب ہوا سمندر دور | اُس کو جینے کا پھر نہیں مقدور
گھوڑے جب کھیت سے بچھڑتے ہیں | جان کے لالے اُن کی پڑتے ہیں
گائے یا بھینس اونٹ یا بکری | اپنے اپنے ٹھکانے خوش ہیں سبھی
کہیئے حبِّ وطن اسی کو اگر | ہم سے حیواں نہیں ہیں کچھ کمتر

ہے کوئی اپنی قوم کا ہمدرد؟ | نوعِ انساں کا جس کو سمجھیں فرد
جس پہ اطلاقِ آدمی ہو صحیح | جس کو حیواں پہ دے سکیں ترجیح
قوم پر کوئی زد نہ دیکھ سکے | قوم کا حالِ بد نہ دیکھ سکے
قوم سے جان تک عزیز نہ ہو | قوم سے بڑھ کے کوئی چیز نہ ہو
سمجھے اُن کی خوشی کو راحتِ جاں | وہاں جو نوروز ہو تو عید ہو یہاں
رنج کو اُن کے سمجھے مایۂ غم | وہاں اگر سوگ ہو تو یہاں ماتم
بھول جائے سب اپنی قدرِ جلیل | دیکھ کر بھائیوں کو خوار و ذلیل
جب پڑے اُن پہ گردشِ افلاک | اپنی آسائشوں پہ ڈال دے خاک

بیٹھے بے فکر کیا ہو ہم وطنو! | اُٹھو اہلِ وطن کے دوست بنو!

مرد ہو تو کسی کے کام آؤ — ورنہ کھاؤ پیو چلے جاؤ

جب کوئی زندگی کا لطف اٹھاؤ — دل کو دکھ بھائیوں کے یاد دلاؤ

پہنو جب کوئی عمدہ تم پوشاک — کرو دامن سے تا گریباں چاک

کھانا کھاؤ تو جی میں تم شرماؤ — ٹھنڈا پانی پیو تو اشک بہاؤ

کتنے بھائی تمہارے ہیں نادار — زندگی سے ہے جن کا دل بیزار

نوکروں کی تمہارے جو ہے غذا — اُن کو وہ خواب میں نہیں ملتا

جس پہ تم جوتیوں سے پھرتے ہو — وہاں میسر نہیں وہ اوڑھنے کو

کھاؤ تو پہلے لو خبر اُن کی — جن پہ بپتا ہے نیستی کی پڑی

پہنو تو پہلے بھائیوں کو پہناؤ — کہ ہے اُترن تمہاری جن کا بناؤ

ایک ڈالی کے سب ہیں برگ و ثمر — ہے کوئی اُن میں خشک اور کوئی تر

سب کو ہے ایک اصل سے پیوند — کوئی آزردہ ہے کوئی خورسند

مقبلو! مدبروں کو یاد کرو — خوش دلو غمزدوں کو شاد کرو

جاگنے والو غافلوں کو جگاؤ — تیرنے والو ڈوبتوں کو تراؤ

ہیں ملے تم کو چشم و گوش اگر — لو جو لی جائے کور و کر کی خبر

تم اگر ہات پاؤں رکھتے ہو — لنگڑے لولوں کو کچھ سہارا دو

تندرستی کا شکر کیا ہے بتاؤ؟ — رنج بیمار بھائیوں کا بٹاؤ

تم اگر چاہتے ہو ملک کی خیر — نہ کسی ہم وطن کو سمجھو غیر

ہو مسلمان اس میں یا ہندو بودھ مذہب ہو یا کہ ہو برہمو
جعفری ہووے یا کہ ہو حنفی جین مت ہووے یا ہو بشنوی
سب کو میٹھی نگاہ سے دیکھو سمجھو آنکھوں کی پتلیاں سب کو
ملک ہیں اتفاق سے آزاد شہر ہیں اتفاق سے آباد
ہند میں اتفاق ہوتا اگر کھاتے غیروں کی ٹھوکریں کیونکر
قوم جب اتفاق کھو بیٹھی اپنی پونجی سے ہات دھو بیٹھی
ایک کا ایک ہو گیا بدخواہ لگی غیروں کی پڑنے تم پہ نگاہ
پھر گئے بھائیوں سی جب بھائی جو نہ آنی تھی وہ بلا آئی
پاؤں اقبال کے اُکھڑنے لگے ملک پر سب کے ہات پڑنے لگے
کبھی تورانیوں نے گھر لوٹا کبھی درّانیوں نے زر لوٹا
کبھی نادر نے قتلِ عام کیا کبھی محمود نے غلام کیا
سب سے آخر کو لے گئی بازی ایک شائستہ قوم مغرب کی
یہ بھی تم پر خدا کا تھا انعام کہ پڑا تم کو ایسی قوم سے کام
ورنہ دم مارنے نہ پاتے تم پڑتی جو سر پہ وہ اُٹھاتے تم
ملک رَوندے گئے ہیں پیروں سے چین کس کو ملا ہی غیروں سے

قوم سے جو تمہارے ہیں برتاؤ سوچو اے میرے پیارو اور شرماؤ

اہلِ دولت کو ہے یہ استغنا　　کہ نہیں بھائیوں کی کچھ پروا
شہر میں قحط کی دہائی ہے　　جانِ عالم لبوں پہ آئی ہے
بھوک میں ہے کوئی نڈھال پڑا　　موت کی مانگتا ہے کوئی دعا
بچّے اک گھر میں بلبلاتے ہیں　　روکے ماں باپ کو رلاتے ہیں
کوئی پھرتا ہے مانگتا دردر　　ہی کہیں پیٹ سے بندھا پتھر
پر جو ہیں اُن میں صاحبِ مقدور　ق　اُن میں گنتی کے ہونگے ایسے غیور
کہ جنھیں بھائیوں کا غم ہوگا　　اپنی راحت کا دھیان کم ہوگا
جتنے دیکھوگے پاؤگے بے درد　　دل کے نامرد اور نام کے مرد
عیش میں جن کے کٹتے ہیں اوقات　　عید ہی دن تو شبرات ہی رات
قوم مرتی ہے بھوک سے تو مرے　　کام اُنھیں اپنے حلوے مانڈے سے
ان کو اب تک خبر نہیں اصلا　　شہر میں بھاؤ کیا ہے غلّے کا
غلّہ ارزاں ہی ان دنوں کہ گراں　　کال ہے شہر میں پڑا کہ سماں
کال کیا شے ہی کسکو کہتے ہیں بھوک　　بھوک میں کیونکہ مرتے ہیں مفلوک
سیر بھوکے کی قدر کیا سمجھے　　اُس کے نزدیک سب ہیں پیٹ بھرے

اہلِ دولت کا سن چکے تم حال　　اب سنو روئداد اہلِ کمال
فاضلوں کو ہی فاضلوں سے عناد　　پنڈتوں میں پڑے ہوئے ہیں فساد

ہیں طبیبوں میں نوک جھوک سدا | ایک سے ایک کا ہے تھوک جدا

رہتے دو اہلِ علم ہیں اس طرح | پہلوانوں میں لاگ ہو جس طرح

عیدو[۱] والوں کا ہے اگر پٹھا | شیخو والوں میں جا نہیں سکتا

شاعروں میں بھی ہے یہی تکرار | خوشنویسوں کو ہے یہی آزار

لاکھ نیکوں کا کیوں نہ ہو اک نیک | دیکھ سکتا نہیں ہے ایک کو ایک

اس پہ طرّہ یہ ہے کہ اہلِ ہنر | دُور سمجھے ہوئے ہیں اپنا گھر

ملی اک گانٹھ جس کو ہلدی کی | اُس نے سمجھا کہ میں ہوں پنساری

نسخہ اک طب کا جس کو آتا ہے | سگے بھائی سے وہ چھپاتا ہے

جس کو آتا ہے پھونکنا کشتہ | ہے ہماری طرف سے وہ گونگا

جس کو ہے کچھ رمل میں معلومات | وہ نہیں کرتا سیدھے منہ سے بات

باپ بھائی ہو یا کہ ہو بیٹا | بھید پاتا نہیں منجّم کا

کام کندلے کا جس کو ہے معلوم | ہے زمانہ میں اُس کے بخل کی دھوم

الغرض جس کے پاس ہے کچھ چیز | جان سے بھی سوا ہے اُس کو عزیز

قوم پر اُن کا کچھ نہیں احساں | ان کا ہونا نہ ہونا ہے یکساں

---

[۱] عیدو والے اور شیخو والے پہلوانوں کے دو مقابل گروہ دلّی میں تھے جن میں سے ایک کے سرگروہ اور اُستاد کا نام عیدو اور دوسرے کا شیخو تھا ۱۲

سب کمالات اور ہنر ان کے / قبر میں ان کے ساتھ جائیں گے

قوم کیا کہہ کے اُن کو روئے گی / نام پر کیونکہ جان کھوئے گی

تربیت یافتہ ہیں جو یہاں کے / خواہ بی اے ہوں آہیں یا ایم اے

بھرتے حبِّ وطن کا گو دم ہیں / پر محبِّ وطن بہت کم ہیں

قوم کو اُن سے جو امیدیں تھیں / اب جو دیکھا تو سب غلط نکلیں

ہسٹری اُن کی اور جوگرفی / سات پردوں میں مونھ دیے ہیں پڑی

بند اُس قفل میں ہے علم اُن کا / جس کی کنجی کا کچھ نہیں ہے پتا

لیتے ہیں اپنے دل ہی دل میں مزے / گویا گونگے کا گڑ ہیں کھائے ہوئے

کرتے پھرتے ہیں سیرِ گل تنہا / کوئی پاس اُن کے جا نہیں سکتا

اہلِ انصاف، شرم کی جا ہے / گر نہیں بخل یہ تو پھر کیا ہے؟

تم نے دیکھا ہے جو وہ سب کو دکھاؤ / تم نے چکّھا ہے جو وہ سب کو چکھاؤ

یہ جو دولت تمہارے پاس ہے آج / ہموطن اُس کے ہیں بہت محتاج

مُنہ کو ایک اک تمہارے ہے تکتا / کہ نکلتا ہے مُنہ سے آپ کے کیا

آپ شائستہ ہیں تو اپنے لئے / کچھ سلوک اپنی قوم سے بھی کیے؟

میز کرسی اگر لگاتے ہیں آپ / قوم سے پوچھیے تو پُن ہے نہ پاپ

مُنڈا جوتا گر آپ کو ہے پسند / قوم کو اُس سے فائدہ نہ گزند

قوم پر کرتے ہو اگر احسان / تو دکھاؤ کچھ اپنا جوشِ نہاں

کچھ دنوں عیش میں خلل ڈالو
پیٹ میں جو ہے سب اُگل ڈالو

علم کو کردو کو بکوا رزاں
ہند کو کر دکھاؤ انگلستاں

سُنتے ہو سامعینِ با تمکیں
سُنتے ہو حاضرینِ صدر نشیں

جو ہیں دنیا میں قوم کے ہمدرد
بندۂ قوم اُن کے ہیں زن و مرد

باپ کی ہے دعا یہ بہرِ پسر
قوم کی میں بناؤں اُس کو سپر

ماں خدا سے یہ مانگتی ہے مُراد
قوم پر سے نثار ہو اولاد

بھائی آپس میں کرتے ہیں پیماں
تم اگر مال دو تو میں دوں جاں

اہل ہمت کما کے لاتے ہیں
ہموطن فائدے اُٹھاتے ہیں

کہیں ہوتے ہیں مدرسے جاری
دخل اور خرچ جن کے ہیں بھاری

اور کہیں ہوتے ہیں کلب قایم
مبحثِ حکمت و ادب قائم

نت نئے کھلتے ہیں دواخانے
بنتے ہیں سیکڑوں شفاخانے

ملک میں جو مرض ہیں عالمگیر
قوم پر اُن کی فرض ہے تدبیر

ہیں سدا اِس اُدھیڑ بُن میں طبیب
کہ کوئی نسخہ ہات آئے عجیب

قوم کو پہنچے منفعت جس سے
ملک میں پھیلیں فائدے جس کے

رسمِ بد کا اثر جہاں پایا
حملہ پر حملہ اُس پہ ہونے لگا

کہیں مجلس میں ہوتی ہی تقریر
کہیں مضمون ہوتے ہیں تحریر

ایک ناٹک بنا کے لاتا ہے
دوسرا اُس کو کر دکھاتا ہے

لاکھ تدبیریں جی سے جوڑتے ہیں — آخر اُس کو مٹا کے چھوڑتے ہیں

قوم کی خاطر اُن کے ہیں سب کام — خواہ اُس میں سفر ہو خواہ مقام

سیکڑوں گل رُخ اور مہ پارے — ق لاڈلے ماں کے باپ کی پیارے

جان اپنی لیے ہتھیلی پر — کرتے پھرتے ہیں بحر و بر کے سفر

شوق یہ ہی کہ جان جائے تو جائے — پر کوئی بات کام کی ہات آئے

جس سے مشکل ہو کوئی قوم کی حل — ملک کا آئے کوئی کام نکل

کھپ گئے کتنے بن کے جھاڑوں میں — مر گئے سیکڑوں پہاڑوں میں

لکھے جب تک جیے سفرنامے — چل دیے ہاتھ میں قلم تھامے

گو سفر میں اُٹھائے رنج کمال — کر دیا پر وطن کو اپنے نہال

ہیں اب اُن کے گواہِ حبِّ وطن — در و دیوار پیرس و لندن

کہیے دنیا کا جس کو باغِ جناں — ہی فرانس آج یا ہی انگلستاں

کام ہیں سب بشر کے ہم وطنو! — تم سے بھی ہو سکیں تو مرد بنو

چھوڑو افسردگی کو جوش میں آؤ — بس بہت سوئے اُٹھو ہوش میں آؤ

قافلے تم سے بڑھ گئے کوسوں — رہے جاتے ہو سب سے پیچھے کیوں

قافلوں سے اگر ملا چاہو — ملک اور قوم کا بھلا چاہو

گر رہا چاہتے ہو عزّت سے — بھائیوں کو نکالو ذلّت سے

اُن کی عزّت تمہاری عزّت ہی — اُن کی ذلّت تمہاری ذلّت ہی

قوم کا بتذل ہے جو انسان — بے حقیقت ہی گرچہ ہے سلطان
قوم دنیا میں جس کی ہے ممتاز — ہی فقیری میں بھی وہ با اعزاز
عزّتِ قوم چاہتے ہو اگر — جا کے پھیلاؤ اُن میں علم و ہُنر
ذات کا فخر اور نسب کا غرور — اُٹھ گئے اب جہاں سے یہ دستور
اب نہ سید کا افتخار صحیح — نہ برہمن کو شدر پر ترجیح
ہوئی ترکی تمام خانوں کی — کٹ گئی جڑ سے خاندانوں کی
قوم کی عزّت اب ہُنر سے ہے — علم سے یا کہ سیم و زر سے ہے
کوئی دن میں وہ دَور آئے گا — بے ہُنر بھیک تک نہ پائے گا
نہ رہیں گے سدا یہی دن رات — یاد رکھنا ہماری آج کی بات

گر نہیں سنتے قول حاؔلی کا
پھر نہ کہنا کہ کوئی کہتا تھا

مناظرۂ رحم و انصاف

(مرتبہ ۱۸۷۶ء)

ایک دن رحم نے انصاف سے جا کر پوچھا
کیا سبب ہے کہ ترا نام ہے دنیا میں بڑا

نیک نامی سے ترے سخت تحیر ہے ہمیں
ہاں سنیں ہم بھی کہ ہے کونسی خوبی تجھ میں

دوستی سے تجھے کچھ دوستوں کی کام نہیں
آنکھ میں تیری مروت کا کہیں نام نہیں

اپنے بیگانے ہیں سب تیری نظر میں یکساں
دوست کو فائدہ ہے تجھسے نہ دشمن کو زیاں

قتل انسان ہمیشہ سے ہے عادت تیری
سیکڑوں چڑھ گئے سولی پہ بدولت تیری

جان اور مال سے نمرود کو کھویا تو نے
اور فرعون کو دریا میں ڈبویا تو نے

فوج راون کی لڑائی میں کھپائی کس نے
آگ لنکا میں سوا تیرے لگائی کس نے

قید خانوں میں جہاں کے ہے پڑا غل تیرا
جتنے قیدی ہیں تری جان کو دیتے ہیں دعا

تیرے فتوے پہ کروڑوں ہوئے سر تن سے جدا
اور ترے حکم سے لاکھوں ہوئے مسکن سے جدا

لطف ہے تیری طبیعت میں نہ کچھ جوش غضب
تجھ کو خردوں پہ ہے شفقت نہ بزرگوں کا ادب

کانپتے آتے ہیں محفل میں تری شاہ و گدا
تجھسے تھراتے ہیں احباب ہوں یا ہوں اعدا

جان پہچان کا ساتھی ہے نہ انجان کا دوست
یار ہندو کا ہے تو اور نہ مسلمان کا دوست

نہیں جائز ترے مذہب میں کسی کی امداد
تیرے نزدیک برابر ہے غلام اور آزاد

دم میں تو صحبتِ دیرینہ بھلا دیتا ہے
دوستی خاک میں برسوں کی ملا دیتا ہے

طور برتاؤ کا ہے سب سے نرالا تیرا
تجھ سا روکھا کوئی دنیا میں نہ دیکھا نہ سنا

ہٹ پہ تو اپنی جہاں نام خدا آجاوے
باپ کے ہات سے بیٹے کا گلا کٹواوے

اسی کرتوت پہ اے عدل یہ دعوے ہیں تجھے
کہ بنا امن کی دنیا میں ہے قائم مجھ سے

ایک تو ہے کہ یگانوں کے ہیں دل تجھ سے فگار
ایک میں ہوں کہ نہیں غیر بھی مجھ سے بیزار

رحم ہے نام مرا لطف و کرم کام مرا
فیض ویرانہ و آباد میں ہے عام مرا

حق کی الطاف و عنایت کا بہانہ ہوں میں
خلق کی کام روائی میں یگانہ ہوں میں

میری سرکار میں ہو جاتے ہیں سب عذر قبول
میرے دربار سے جاتے نہیں مجرم بھی ملول

لطف ہے عام سدا اہلِ خطا پر میرا
ہاتھ اٹھتا نہیں خونی کی سزا پر میرا

غم مرے سامنے شادی سے بدل جاتے ہیں
ہنستے جاتے ہیں جو یاں روتے ہوئے آتے ہیں

مجرئی شرم و مروت مرے دربار کے ہیں
بخشش و جود ملازم مری سرکار کے ہیں

موج زن ہوتا ہے جب فیض کا میرے قلزم
یاس ہو جاتی ہے انبوہ میں امید کے گم

مصر میں قید سے یوسف کو نکالا میں نے
اور ایوب کے بیڑے کو سنبھالا میں نے

میں ہر اک درد میں ہو جاتا ہوں انساں کے شریک
میں نہ ہوتا تو نہ دیتا کوئی محتاج کو بھیک

میں ہی دیتا ہوں یتیموں کو دلاسا جاکر
میں ہی لیتا ہوں برے حال میں رانڈوں کی خبر

میرے ہی دم سے ہے آدم کا نمونہ باقی
میرے ہی دم سے ہے عالم میں نمودِ بشری

ورنہ انسان کہ ہے جرم و خطا کا پتلا
میں نہ ہوتا تو بھلا اُس کا ٹھکانا کیا تھا

بیڑا فرعون کا جب غرق فنا ہوتا تھا
میں وہاں ساحلِ دریا پہ کھڑا روتا تھا

تجھ سے ہوتے اگر اے عدل جہانیں دوچار
لُٹ گئی ہوتی کبھی کی مرے گلشن کی بہار

جب سُنا رحم سے یہ ولولہ انگیز خطاب
کہا انصاف نے ہو حکم تو دوں اسکا جواب

آپ کی نیکیوں سے کس کو ہی انکار یہاں
کیونکہ ہے ذکر جمیل آپ کا مشہور جہاں

مگر اے رحم بُرا ماننے کی بات نہیں
نیکیاں آپ کو کردیں نہ یہ بدنام کہیں

ہم نے مانا کہ مروّت بھی بڑی ہی اک چیز
پر مروّت کیلئے شرط ہی اے دوست تمیز

کھودیا جس نے مروّت کو یہاں عام کیا
اُس کو رسوا کیا اور آپ کو بدنام کیا

بول میٹھے نہیں آفت کے یہ پرکالے ہیں
اس مروّت نے تری سیکڑوں گھر گھالے ہیں

دوستوں کو ہی اشارہ کہ کسی سے نہ ڈرو
دشمنوں سے یہ مدارا کہ جو چاہو سو کرو

چور چوری سے نہیں ڈرتے بدولت تیری
لئے پھرتی ہی اُچکوں کو حمایت تیری

جتنے قزاق ہیں یہاں اُن کا مددگار ہی تو
اور سب ڈاکوں کا قافلہ سالار ہے تو

ہوا جس ملک پہ سرکار کا جاری فرمان
اُس کو سمجھو کہ ہوا اب کوئی دنیں ویران

باپ کا حکم نہیں مانتے فرزند رشید
اور نوکر نہیں دیتے کبھی آقا کو رسید

لڑکے اوستاد کی گھُرکی کو نہیں مانتے کچھ
بدمعاش اہل پولس کو نہیں گردانتے کچھ

اہلکاروں کا کچہری میں جو دیکھو بھوار
سمجھو دیوان عدالت کو کہ ہی اک بازار

پیٹ پکڑے ہوئے ہاں پھرتے ہیں حاجت والے
اور منہ کھولے ہوئے بیٹھے عدالت والے

نہیں حاکم کی مروّت سے انھیں خوفِ مآل
"بول کیا لایا ہے؟" اظہار کا پہلا ہی سوال

ہر طرف بیچ میں دلّال ہیں کچھ چھوٹ رہے
دونوں ہاتھوں سے غرضمندوں کو ہیں لوٹ رہے

یوں تو اے رحم تری ذات میں جوہر ہیں بہت
خیر تھوڑی ہی مگر آپ میں اور شر ہیں بہت

ایک رہزن کو جو تو قید سے چھٹواتا ہے
بیسیوں قافلوں کو جان کے لٹواتا ہے

باپ کو ہونے نہیں دیتا جو بیٹے سے خفا
بے ادب کھنا اسے چاہتا ہے تو گویا

مار پر اٹھنے نہیں دیتا جو استاد کا ہاتھ
یہ سلوک اچھے نہیں ہیں ترے شاگرد کے ساتھ

میٹھی باتوں میں تری زہر ہلاہل ہے بھرا
تیرا آغاز تو اچھا ہے یہ انجام برا

کاش تو بھی مرے قانون پہ چلتا اے رحم
اپنے اندازہ سے باہر نہ نکلتا اے رحم

بے مروّت ہوں اگر میں تو یہ جوہر ہی مرا
جس کو تو عیب سمجھتا ہے وہ زیور ہے مرا

راستبازی جو سنی ہو وہ طبیعت ہی مری
اور عدالت جسے کہتے ہیں وہ عادت ہے مری

معتدل نام ہے جس کا وہ مزاج اپنا ہے
بھاگ اس ملک سے جس ملک میں راج اپنا ہے

میں ہی تھا جس نے کہ ویرانوں کو آباد کیا
میں ہی تھا جسنے کہ اخباروں کو آزاد کیا

حکم سے میرے ہوئی کونسلوں کی ماموری
رائے سے میری بنیں سلطنتیں جمہوری

کھو دیا میں نے نشاں سلطنتِ شخصی کا
اور دنیا سے غلامی کو مٹا کر چھوڑا

مجلسیں سیکڑوں ملکوں میں بٹھائیں میں نے
راہیں اغلاط سے بچنے کی سجھائیں میں نے

حکم و قانون کسی گھر میں مقید نہ رہا
سلطنت نام ہے اب قوم کی پنچایت کا

جس طرح ظلم کا اے رحم روا دار نہیں — میں اسی طرح سے تیرا بھی مددگار نہیں

سر ذرا جس نے اٹھایا اسے کھو کر چھوڑا — پاپ کی ناؤ کو دریا میں ڈبو کر چھوڑا

حکم عالم میں مرا شرق سے تا غرب ہے عام — جس نے مانا نہ مرا حکم رہا وہ ناکام

رائے کرتی نہیں میری کسی حالت میں خطا — تیر لگتا ہے مرا جا کے نشانے پہ سدا

میں دکھا دیتا سیاست کی گر اپنی تلوار — چل نہ سکتا کبھی قابیل کا ہابیل پہ وار

کارفرما ہے جہاں میری عدالت اے رحم — دم نہیں مارتی واں تیری مروت اے رحم

وہاں تعصب کا پتہ اور نہ عداوت کا گزر — نہ قرابت کا نشاں اور نہ محبت کا اثر

حکم جاری ہے جدھر دیکھئے آزادی کا — بڑھ کے چلتا نہیں واں شاہ سے لے تا بہ گدا

کجروی مکر سے کہتی ہے میں آئی تو چل — ٹیڑھے ترچھے کے بل اک آن میں جاتے ہیں نکل

پاک بازوں کو نہیں عہد میں میری کھٹکا — جو کنوڈے ہیں وہی مجھ سے کھٹکتے ہیں سدا

سات پردوں میں اگر عیب کسی کا ہے چھپا — نہ ہوا آج تو کل ہوگا مقرر رسوا

ہیں خطا کار کے دشمن در و دیوار یہاں — بھائی بھائی کے نہیں ہوتے مددگار یہاں

اور اگر عیب سے ہے پاک کسی کا دامن — غم نہیں اس کا ہو گر سارا زمانہ دشمن

نہ رعیت کا اسے خوف نہ کچھ شاہ کا ڈر — نہ اسے چور کا خطرہ نہ اسے ساہ کا ڈر

نہ عدالت میں اسے ڈر کسی فریادی کا — اور نہ کچھ ذغدغہ اخبار ونکی آزادی کا

جو ہنرمند ہیں دل ان کے بڑھاتا میں ہوں — خوبیاں انکی زمانہ میں جتاتا میں ہوں

بے ہنر ہو کسی پیرایہ میں یاں جلوہ نما — عہد میں میرے ہنرمند نہیں بن سکتا

یاں نہ اُستاد کو شاگرد کی اصلاح سے عار — اور نہ شاگرد کو اپنی غلطی پر اصرار

سنتے جاہل سے ہیں گر فائدے کی بات حکیم — مستفیدوں کی طرح کرتے ہیں اُس کو تسلیم

نوکر آقا کی جتاتا ہے اگر کوئی خطا — بن نہیں آتا کچھ آقا سے ندامت کے سوا

کرنے پاتے نہیں گاہک پہ دکاں دار ستم — جنس یاں تُل نہیں سکتی کبھی مقدار سے کم

بیل بے وجہ نہیں آر کسی کی کھاتا — سدھے منہ گھوڑے پہ چابک نہیں اُٹھنے پاتا

اونچے اونچوں سے یہاں لیتے ہیں خدمت پوری — اور مزدوروں کو دیتے ہیں کھری مزدوری

محنتی جتنے ہیں یاں خرم و دلشاد ہیں سب — خوار پھرتے ہیں وہی جو کہ ہیں آرام طلب

اہل مقدور کو کھٹکا نہیں کچھ چوروں سے — زورمند آنکھ ملاتے نہیں کمزوروں سے

خوب کو خوب سمجھتے ہیں یہاں زشت کو زشت — ناپ سے کم نہیں لگتی کہیں تعمیر میں خشت

جھوٹے سچوں کا نہیں بھیس بدلنے پاتے — دام بازار میں کھوٹے نہیں چلنے پاتے

جس طرف جائیے واں امن و اماں کا ہی عمل — فتنہ سرحد سے مری جاتا ہی کترا کے نکل

جس قلمرو میں کہ جاری نہیں میرا فرماں — ظلم کے ہاتھ میں واں حکم و عمل کی ہی عناں

دوست اللہ کے ہیں ٹھہرتے معتوب[1] واں — اور مسیحائے زماں ہوتے ہیں مصلوب وہاں

نیک فرزند ہیں ماں باپ کے جو حلقہ بگوش — رام لچھمن کی طرح پھرتے ہیں واں خانہ بدوش

مان رکھا ہے جنھیں قوم نے اولادِ رسول — قوم کے ہاتھ سے ہوتے ہیں پیاسے مقتول

زکریا کی طرح جو ہیں خدا کے پیارے — اُن کے سر پر ہیں سدا ظلم کے چلتے آرے

[1] صحیح لفظ معاتب ہی مگر اُردو میں بجائے معاتب کے معتوب بولا جاتا ہی جیسے بجائے معفو کے معاف پس اُردو میں یہی صحیح اور یہی فصیح

زہر سقراط سے ناصح کو پلا دیتے ہیں — اور یوسف سے برادر کو دغا دیتے ہیں

گفتگو ختم یہ انصاف کی جب آ پہنچی — عقل پرکار قضا کار وہاں جا پہنچی

واں جو دیکھا تو ہے دو بھائیوں میں کچھ تکرار — اور ہر اک کو بزرگی پہ ہے اپنی اصرار

رحم ادھر عدل سے کہتا ہی کہ تو ہی کیا چیز — اور ادہر رحم کو ہی عدل سمجھتا ناچیز

عقل نے دونوں کی تقریر سُنی سرتاپا — کہہ چکے وہ تو یہ سنجیدہ جواب اُن کو دیا

خیر۔ اک کان ہی تم جسکے ہو گوہر دونوں — ایک سے ایک ہو تم بہتر و برتر دونوں

صاف کہتی ہوں سُن لے رحم نہیں ہیں خلاف — تو ہی اک قالب بے روح نہ ہو گر انصاف

اور سُن لے عدل نہیں اسمیں تکلف سر مو — گر نہ ہو رحم تو اک دیدۂ بے نور ہے تو

دونوں تم خلق کے ہو مایۂ آرام و شکیب — گل و شبنم کی طرح ایک سی ہے ایک کو زیب

سرسری فیصلہ تو یہ ہے اگر تم مانو — اور نہیں مانتے گر بات مری تم جانو

ابھی اک نکتہ میں تم دونوں کو جھٹلاتی ہوں — لو سنو غور سے میں کہتی ہوں اور جاتی ہوں

فرق اصلا نہیں تم دونوں میں لڑتے کیوں ہو — جبکہ تم ایک ہو آپس میں جھگڑتے کیوں ہو

وہی اک شے ہی کہ ہی عدل کہیں نام اُس کا — کہیں مظلوم کی فریاد رسی کام اُس کا

رحم کہلائے جو مظلوم کی فریاد سنے — عدل ٹھہرے جو سزا ظالم بے رحم کو دے

وہی شفقت ہی کہ اُستاد کی ہی مار کبھی — اور ماں باپ کی ہو جاتی ہی چمکار کبھی

وہی شفقت ہی کہ ہی گھور کہیں پیار کہیں — وہی جلوہ ہی کہ ہی نور کہیں نار کہیں

کہیں وہ مہر کی صورت میں عیاں ہوتی ہی | اور کہیں قہر کے پردے میں نہاں ہوتی ہی
کہیں وہ قندِ مکرّر کا مزا دیتی ہی | اور کہیں چاشنیِ موت چکھا دیتی ہی
یہی شفقت تھی کہ جب اُسنے سمجھایا انجام | شیخ فاروق نے بیٹے کا کیا کام تمام
یہی شفقت تھی کہ جب ہو گیا بیجان بسیر | ایک برچھی سی لگی باپ کے دل میں آکر
یہی شفقت ہی کہ زخمی کہیں کرواتی ہی | یہی شفقت ہی کہ پھر زخم کو بھرواتی ہی
رحم اور عدل سے جب عقل نے تقریر یہ کی | اور دی ساتھ ہی حالی نے شہادت اسکی
رہی باقی نہ فقط یقین کو جاے انکار | چار ناچار کیا یک جہتی کا اقرار

بڑھ کے پھر دونوں ملے ایسی کہ گویا تھی ایک
مل کے ہو جائیں کہیں جیسے کہ دو دریا ایک

مُسدّس موسوم بہ ننگِ خدمت

(مرتبہ ۱۸۸۴ء)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یاد ایّام کہ بے رنگ تھی تصویر جہاں
دستِ مشّاطہ نہ تھا محرم زلفِ دوراں
گلِ خود روسے بسا تھا چمنِ کون و مکاں
چارسو حسنِ خداداد کا سکّہ تھا رواں
وضعِ عالم میں نہ آیا تھا تغیّر اب تک
خطِ قدرت کی وہی شان تھی اور نوک پلک

طفلِ معصوم کی مانند تھا یہ عالمِ پیر
تھے ہم اک صنعتِ بیچون و چرا کی تصویر
ملکِ فطرت میں نہ تھی سلطنتِ نفسِ شریر
طبع نے مملکتِ روح نہ کی تھی تسخیر
خوابِ غفلت کی گھٹا دل پہ نہ چھائی تھی بہت
دن چھپا تھا ابھی اور رات نہ آئی تھی بہت

مال و دولت کی ہوس میں نہ گرفتار تھے ہم
نہ بلندی کے نہ رفعت کے طلبگار تھے ہم
آپ ہی اپنے ہر اک رنج میں غمخوار تھے ہم
مددِ غیر سے اصلا نہ خبردار تھے ہم

جو سبق آئے تھے اُستادِ ازل سے لیکر
وہی ہر منزل و ہر راہ میں تھا یاں رہبر

اصل سے دور بہت ہونے نہ پائے تھے ابھی دیس سے چھوٹ کے پردیس میں آئے تھے ابھی
دن جدائی کے نصیبوں نے دکھائے تھے ابھی ڈال سے توڑ کے بازار میں لائے تھے ابھی

عرصہ گزرا تھا مسافر کو نہ غربت میں بہت
جی لگا تھا نہ ابھی غیروں کی صحبت میں بہت

صاف آئینۂ دل میں نظر آتا تھا کوئی رو برو جس کے جگہ ملین نہ پاتا تھا کوئی
جی وہ جی تھا کہ نہ جس جی کو لبھاتا تھا کوئی آنکھ وہ آنکھ تھی جس میں نہ سماتا تھا کوئی

روح تھی بادۂ دوشینہ سے اپنی بدمست
تھا ترقی پہ ابھی نشۂ صہبائے الست

اس قدر عمرِ دو روزہ پہ نہ مغرور تھے ہم عیش و عشرت کی طلسموں سے بہت دور تھے ہم
کسی محنت سے مشقت سے نہ معذور تھے ہم آپ ہی راج تھے اور آپ ہی مزدور تھے ہم

تھے غلام آپ ہی اور آپ ہی آقا اپنے
خود ہی بیمار تھے اور خود ہی مسیحا اپنے

خودنمائی و خودآرائی کا کچھ دھیان نہ تھا کبر و پندار کا جاری کہیں فرمان نہ تھا
گھر میں سامان نہ تھا در پہ نگہبان نہ تھا جی میں فرعونِ زماں بننے کا ارمان نہ تھا
آکے دنیا میں بہت پاؤں نہ پھیلاتے تھے اک مسافر کی طرح رہ کے چلے جاتے تھے

خاک کو نرم بچھونوں سے سوا جانتے تھے — روکھ کی چھاؤں کو ہم ظلِ ہما جانتے تھے
مل گیا جو اُسے انعامِ خدا جانتے تھے — نہ بُرا جانتے تھے اور نہ بھلا جانتے تھے
طاعتِ نفسِ فرومایہ سے آزاد تھے ہم
ساگ اور پات پہ گزران تھی اور شاد تھے ہم

تھی سفر میں نہ سواری کی ضرورت زنہار — طے انھیں قدموں سے کرتے تھے ہر اک راہ گزار
کھانے پینے کو نہ تھے ظرفِ بلوریں درکار — انھیں ہاتوں پہ خور و نوش کا تھا اپنے مدار
شرم آتی تھی نہ ہل جوت کے کھانے سے ہمیں
عیب لگتا تھا نہ کچھ ڈھور چرانے سے ہمیں

تھک کی محنت سے جو ہم بھوک میں کھاتے تھے طعام — دیتے تھے کلۂ بریاں کا مزا گندمِ خام
دستِ بازو کی بدولت تھا ہمیں عیشِ مدام — خوب کٹتے تھے مشقت میں ہمارے ایام
پیٹ کے مارے کہیں سر نہ جھکاتے تھے ہم
آبرو نفس کی خاطر نہ گنواتے تھے ہم

کرنے پڑتے تھے ضیافت میں نہ بیجا ساماں — نانِ جو کھاتے تھے خوش ہو کے ہمارے مہماں
تھا بناوٹ کا پتہ اور نہ تکلف کا نشاں — ایک قانون کے پابند تھے دل اور زباں
طبلِ ظاہر کی نمایش کے نہ بجتے تھے وہاں
جو برستے تھے زیادہ نہ گرجتے تھے وہاں

آمدِ موسمِ گل میں تھا عجب لطف ہوا — آندھیوں نے کئے انجام کو طوفاں برپا

چشمہ نزدیک تھا منبع سے تو تھا عین صفا
جتنا بڑھتا گیا ہوتا گیا پانی گدلا

مٹتے مٹتے اثرِ صدق و صفا کچھ نہ رہا
آخری دور میں تلچھٹ کے سوا کچھ نہ رہا

اے جہاں، اے روشِ تازہ بدلنے والے
نت نئی چال نئی ڈھال سے چلنے والے

موم کی طرح ہر اک سانچہ میں ڈھلنے والے
روز ایک سوانگ نیا بھر کے نکلنے والے

آج کچھ اور ہی کل اور تھی کچھ شان تری
ایک سے ایک نہیں ملتی کہیں آن تری

اک زمانہ تھا کہ ہموزن تھے سب خرد و کلاں
لہلہاتی تھی بنی نوع کی کھیتی یکساں

ایک اسلوب پہ تھی گردشِ پرکارِ زماں
شہر و ویرانہ و آباد میں تھا ایک سماں

قدر و قیمت میں نہ تھا فرق کسی کی اصلا
کوئی پلہ نہ تھا ترازو کا نہ اونچا نیچا

ایک سے ایک نہ کم تھا نہ زیادہ سرِ مو
سب تھے ہم ایک ترائی کے درختِ خودرو

حاجتیں لے کے کسی در پہ گئے تھے نہ کبھو
نہ زمیں بوس کی عادت تھی نہ تسلیم کی خو

دستِ قدرت کے سوا سر پہ کوئی ہاتھ نہ تھا
ایک قبلہ تھا کوئی قبلۂ حاجات نہ تھا

ناگہاں جور و تغلب کا اک اٹھا طوفاں
جسکے صدمہ سے ہوئی زیر و زبر نظمِ جہاں

اقویا ہاتھ ضعیفوں پہ لگے کرنے رواں
بکریوں کو نہ رہی بھیڑیوں سے جائے اماں

تیز دنداں ہوئے جنگل میں غزالوں پہ پلنگ
مچھلیوں پر لگے منہ کھولنے دریا میں نہنگ

حق نے شائستہ ہر بات بنایا تھا ہمیں ایک ہی دام میں پھنسنا نہ سکھایا تھا ہمیں
رستہ ہر کوچہ و منزل کا بتایا تھا ہمیں زینہ ہر بام پہ چڑھنے کا دکھایا تھا ہمیں

ایسا کچھ بادۂ غفلت نے کیا متوالا
طوق خدمت کا لیا اور گلے میں ڈالا

درِ مخلوق کو ہم ملجا و ماوی سمجھے طاعتِ خلق کو اعزاز کا تمغہ سمجھے
پیشہ و حرفہ کو اجلاف کا شیوا سمجھے ننگِ خدمت کو شرافت کا تقاضا سمجھے

عیب گننے لگے نجاری و حدادی کو
بیچتے پھرنے لگے جوہرِ آزادی کو

نوکری ٹھہری ہے لے دیکے اب اوقات اپنی پیشہ سمجھے تھے جسے ہوگئی وہ ذات اپنی
اب نہ دن اپنا رہا اور نہ رہی رات اپنی جا پڑی غیر کے ہاتوں میں ہر اک بات اپنی

ہاتھ اپنے دل آزاد سے ہم دھو بیٹھے
ایک دولت تھی ہماری سو اُسے کھو بیٹھے

کرتے ہیں قصدِ تجارت تو گرہ میں نہیں دام دستکاری کو سمجھتے ہیں کہ ہے کارِ عوام
نہیں ہل جوتنے میں راحت و آرام کا نام بنتے پھرتے ہیں اسی واسطے اک اک کے غلام
نظر آتی نہیں مطلب کی کوئی گھات ہمیں وہ پڑا نقشہ کہ ہر چال میں ہے مات ہمیں

ایک آقا ہو تو خدمت کا ہو حق اُس کی ادا　　ایک افسر ہو تو حکم اُس کا کوئی لائے بجا
زید کی رائے جدا عمرو کی تجویز جدا　　ایک بندہ کو بھگتنے کئی پڑتے ہیں خدا

بھاگو خدمت سے کہ اچھا نہیں انجام اس کا
جس کا پتھر کا کلیجہ ہو وہ لے نام اس کا

کہیں بہتان کا اندیشہ کہیں بیم گناہ　　کہیں غمّاز کا دھڑکا کہیں خوف بدخواہ
جھیلنے روز وہ افسر کہ نہو جن سے نباہ　　خدمت اک بار گراں ہے کہ عیاذاً باللہ

پڑے پتھر پہ تو پتھر میں گرانی نہ رہے
گزرے دریا پہ تو دریا میں روانی نہ رہے

آتی ہیں نوکروں کے سر پہ بلائیں اکثر　　بے سبب اُن پہ گزرتی ہیں جفائیں اکثر
ماننی پڑتی ہیں ناکردہ خطائیں اکثر　　سامنے جاتے ہیں پڑھ پڑھ کے دعائیں اکثر

غیرت آئی جنہیں وہ ٹھہرنے پاتے نہیں یہاں
جو کہ عاقل ہیں کبھی کان ہلاتے نہیں یہاں

کیجئے فرض کہ ہے زید بڑا منصب دار　　اور عمرو اُس کا ہے اک بندۂ فرمانبردار
فرق دونوں میں نہیں اسکے سوا کچھ زنہار　　کہ یہ میلا ہے وہ اُجلا یہ پیادہ وہ سوار

ورنہ انصاف سے دیکھو تو ہیں نوکر دونوں
قید میں عجز میں ذلت میں برابر دونوں

عمرو کرتا ہے اگر اُس کا ادب اور تعظیم　　کرنی پڑتی ہے اُسے بھی کہیں جھک کر تسلیم

زید کی جھڑکیوں سے گرہی دل عمرو و دنیم — جا کے سنتا ہی کہیں زید بھی الفاظِ سقم

پاجی احمق ایسے کہنے کا اگر ہے دستور

ڈام فول اُس کو بھی سننا کہیں پڑتا ہی ضرور

رکھتے ہیں حضرتِ انساں جو بڑائی میں قدم — گاؤ خراں سے ہیں کیا جانئے کس باتیں کم

مالکوں کے اُنھیں گر جھیلنے پڑتے ہیں ستم — ذلّتیں ان کے لئے بھی ہیں مہیّا ہر دم

ننگِ خدمت کی حقیقت کو بشر گر سمجھے

چاکروں کو گدھے اور بیل سے بدتر سمجھے

کھیت سی اپنے بچھڑنے کا ہی گر ان کو ملال — مدّتیں گزریں کہ لوٹا گیا یہاں عیش و صال

نوکری نے جو ہیں دکھلایا طلسم اقبال — چھوڑ کر شہر و وطن کو ہوئے جویائے محال

گھر چھٹا یار چھٹے خویش و یگانہ چھوٹا

ایک ذلّت ملی اور سارا زمانہ چھوٹا

اُن کی گردن میں اگر قید کی رسّی ہی پڑی — اپنی بے بال و پری کی بھی کہانی ہی بڑی

تازہ حکموں کی لگی رہتی ہی ہر وقت جھڑی — نہیں خالی کوئی ساعت کوئی پل کوئی گھڑی

مرغِ بے پر کی طرح قیدیِ صیّاد ہیں ہم

سمجھئے پھر کونسی حجت ہے کہ آزاد ہیں ہم

ہوتے ہیں فرطِ مشقت سے اگر وہ رنجور — مالک اُن کی نگرانی میں نہیں کرتے قصور

دیکھ لیتے نہیں جبتک کہ ہوے روگ سی دور — رکھتے ہیں محنت و تکلیف سے اُن کو معذور

جانتے ہیں یہی دھن ہے یہی دولت اپنی
دم سے وابستہ انھیں کے ہے معیشت اپنی

اپنی گر جان پہ بنجائے مشقت سی یہاں — نہیں امید کہ گزرے کسی خاطر پہ گراں
مطمئن ہیں کہ ہے مزدوروں کا دنیا میں سماں — نہ ہوا ایک تو رکتی نہیں تعمیرِ مکاں

پھرتے ہیں پیٹ کی یہاں دیتے دہائی لاکھوں
گر نہیں آپ تو ہیں آپ کے بھائی لاکھوں

حق کسی کا نہیں، ماتحت ہو یا ہو افسر — ایک سے کام لیا ایک کو سونپا دفتر
یہی کھڑ بدلیاں رہتی ہیں یہاں شام و سحر — فی المثل ایک کرایہ کی دکاں ہے نوکر

ہے۔ جب تک کسی بنیاد میں آیا نہ خلل
لگی جب بیٹھنے۔ لی جا کے کہیں اور بدل

نوکروں سے ہیں بہائم کہیں رتبہ میں سوا — کہ نہیں خدمتِ ہم جنس کا اُن پر دھتا
گائے ہو بیل ہو گھوڑا ہو کہ ہو اہیں گدھا — ایک کو ایک کا تابع کہیں دیکھا نہ سنا

کسی مخلوق کو رتبہ نہ خدا نے بخشا
جو غلاموں کو شرفِ عقلِ رسا نے بخشا

اس سے بڑھکر نہیں ذلت کی کوئی شان یہاں — کہ ہو ہمجنس کی ہمجنس کے قبضہ میں عناں
ایک گلہ میں کوئی بھیڑ ہو اور کوئی شباں — نسلِ آدم میں کوئی ڈھور ہو کوئی انساں

ناتواں ٹھیرے کوئی۔ کوئی تنومند بنے — ایک نوکر بنے اور ایک خداوند بنے

ایک ہی تخم سے پیلو بھی ہو شمشاد بھی ہو   ایک ہی اصل سے خسرو بھی ہو فرہاد بھی ہو
ایک ہی ڈار میں آہو بھی ہو صیاد بھی ہو   ایک ہی نسل سے بندہ بھی ہو آزاد بھی ہو

ایک ہی سبزہ کہ جو تازہ بھی ہو خشک بھی ہو
ایک ہی قطرۂ خوں ریم بھی ہو مشک بھی ہو

ایک وہ ہیں کہ نہیں غیر کے فرماں بردار   اپنی ہر بات کے ہر کام کے خود ہیں مختار
نہیں سرکار سے دربار سے اُن کو سروکار   جس جگہہ بیٹھ گئے ہے وہی اُن کا دربار

گر تونگر ہیں تو وہ بس بین ہیں اُن پہ کے محکوم
ورنہ خادم ہیں کسی کے نہ کسی کے مخدوم

حکم سے کوئی نہیں اُن کا بُلانے والا   جبر سے کوئی نہیں اُن کا دبانے والا
بیٹھ جائیں تو نہیں کوئی اُٹھانے والا   سو رہیں جب تو نہیں کوئی جگانیوالا

اُٹھ کے چلدیں تو نہیں روکنے والا کوئی
اُلٹے پھر جائیں۔ جو ہو ٹوکنے والا کوئی

ایک وہ ہیں کہ زمانہ کرے انصاف اگر   اور کھل جائیں کمالات بھی اُنکے سب پر
جوہری جو ہیں وہ سب اُنکے پرکھ لیں جوہر   کامیابی نہیں اُن کے لئے اس سی بڑھکر

کہ سدا قید رہیں مرغ خوش الحاں کی طرح
جاکے بک جائیں کہیں یوسف کنعاں کی طرح

دیکھ لیں جب اُنھیں ہر علم و ہنر میں یکتا   شرف ذات میں اور اصل و گہر میں یکتا

زور بازو میں بلندی نظر میں یکتا — الغرض جملہ کمالاتِ بشر میں یکتا

اور پھر اُس پہ مدد طالعِ بیدار کی ہو
تب نصیب اُن کو غلامی کسی سرکار کی ہو

ورنہ دن رات پھریں ٹھوکریں کھاتے دَر دَر — سندیں چٹھیاں پروانے دکھاتے دَر دَر
چاپلوسی سے دل ایک اک کا لُبھاتے دَر دَر — ذائقہ نفس کو ذِلّت کا چکھاتے دَر دَر

تاکہ ذلّت سے بسر کرنے کی عادت ہوجائے
نفس جس طرح بنے لائقِ خدمت ہوجائے

کوئی دفتر نہیں اور کوئی کچہری ایسی — کہ جہاں گزری ہو ایک آدھ نہ عرضی اُنکی
سُنتے مشرق میں ہیں گر کوئی اسامی خالی — قافلے ہوتے ہیں مغرب سے اُسی دم راہی

برسوں اس پر بھی گزر جاتے ہیں بےنیلِ مرام
کوئی آقا نہیں ملتا کہ بنیں اُس کے غلام

تنگ ہوتے ہیں تو تقدیر کا کرتے ہیں گلا — کبھی ٹھہراتے ہیں گردش کو زمانہ کی بُرا
کبھی سرکار کو کہتے ہیں کہ ہے بےپروا — کبھی فرماتے ہیں یہ ہوکے مشیت سے خفا

"وعدۂ رزق میں سنتے تھے کہ ہوتی نہیں دیر
پھر جو نوکر نہیں ہوتے تو یہ ہے کیا اندھیر"

جانتے ہیں کہ ہے جس رزق کا ہم سے وعدہ — اُس کا حیلہ نہیں یہاں کوئی غلامی کے سوا
اور دروازے ہوئے بند سب اُن پر گویا — اب فلک پر اُنھیں ملتا نہ زمیں پر ماویٰ

کام ہوتا کوئی اور اُن سے سرانجام نہیں
جس طرح بیل کو جتنے کے سوا کام نہیں

جن کے اسلاف نے تھا قوم کے دیکھا اقبال — یاد کرتے ہیں جب اسلاف کا وہ جاہ و جلال
پاتے ہیں انکو عنایات سے شاہونکی نہال — مال و دولت سے انھیں دیکھتے ہیں مالا مال
ایک کی ایک سے پاتے ہیں فزوں تر توقیر
کوئی بخشی کوئی دیوان کوئی صدر کبیر

دیکھتے جب ہیں کہ دمساز تھے اُن سے ایّام — بادۂ عیش سے لبریز تھا جام اُن کا مدام
کہتے ہیں خدمت سلطانیں ہی اعزاز تمام — اس لئے ہم نے لیا پیشۂ آبائے کرام
دیکھیں موںھ ڈال کے گر اپنے گریبان میں وہ
عمر برباد کریں پھر نہ اُس ارمان میں وہ

ہنس کی چال حماقت سے چلا جو کوّا — اپنی بھی چال گیا بھول بقول حکما
پیروی کرتے ہیں اسلاف کی اب جو حمقا — وہ نہیں جانتے رنگ آج زمانہ کا ہی کیا
اپنا کیا حال ہے اسلاف کی حالت کیا تھی
اپنی توقیر ہے کیا اُن کی وجاہت کیا تھی

سلطنت کے وہی اعضا تھے وہی تھے ارکان — اُن سے ہی ہر حال میں دربار کو تھا اطمینان
رتق اور فتق کی ہاتوں میں اُنھیں کے تھی عنان — طبل و نقارہ نہیں کا تھا انہیں کا تھا نشان
تھے وہی قائد لشکر وہی دفتر کے دبیر — تھے وہی شرع کے مفتی وہی دولت کے مشیر

مشورت اُن سے ہر اک باتمیں لیجاتی تھی　　جستجو اُن کی مہمات میں کی جاتی تھی
رخصتِ خلوت و جلوت اُنھیں دیجاتی تھی　　سب چھپی اور ڈھکی اُنسے کہی جاتی تھی

ڈھونڈ ڈھونڈ اُن کو بُلاتے تھے حکومت کے لئے
خدمت اُن کے لئے تھی اور وہ خدمت کے لئے

اُن کی نسلوں کی بھی کیا آج یہی ہی توقیر　　نوکری کے لئے پھرتے ہیں جو کرتے تدبیر
کاش سوجھے اُنھیں جو پیٹ رہے ہیں وہ لکیر　　کاش سمجھیں کہ ہیں کس وہم کے پھندے میں اسیر

بھاگو ان آیا تھا جو قوم پہ وہ سال گیا
گئے منصب بھی جہاں قوم کا اقبال گیا

اب حسب اور نسب پر نہیں نازش کا محل　　گردشِ دہر نے دی صورت احوال بدل
خاندانوں کی نجیبوں کے گئی ٹھیک نکل　　کسی قابل نہ رہے شیخ نہ سیّد نہ مغل

گر گئے جو مئے پندار کے تھے متوالے
بڑھ گئے پیشہ و مزدوری و محنت والے

جن کو منظور رہے مشکل کو نہ دشوار کریں　　چاہیے سعی و مشقت سے نہ وہ عار کریں
ہو میسّر جنہیں وہ خدمت سرکار کریں　　ورنہ مزدوری و محنت سر بازار کریں

آبرو اسمیں ہی شان اسمیں ہی عزت اسمیں
فخر اسمیں ہی شرف اسمیں شرافت اسمیں

پیشہ سیکھیں کوئی فن سیکھیں صناعت سیکھیں　　کشتکاری کریں آئینِ فلاحت سیکھیں
گھر سے نکلیں کہیں آداب سیاست سیکھیں　　الغرض مرد بنیں جرأت و ہمت سیکھیں

کہیں تسلیم کریں جا کے نہ آداب کریں
خود وسیلہ بنیں اور اپنی مدد آپ کریں

بیٹا عمران کا وہ فخر بنی اسرائیل   ہم سخن جس سے ہوا طور پہ خود رب جلیل
جس نے فرعون کے لشکر کو کیا خوار و ذلیل   جسکے خود دست و عصا میں تھی رسالت کی دلیل

گلہ بانی کے لئے پایا جو ایمائے شعیب
بکریاں اس نے چرائیں نہیں سمجھا کچھ عیب

انبیا پیشہ پہ گزران سدا کرتے رہے   اولیا خلق کی طاعت سے ابا کرتے رہے
خدمت جنس سی نفرت حکما کرتے رہے   حاجتیں آپ ہی سب اپنی روا کرتے رہے

اپنے ہاتوں سے ہر اک کام نبیڑا اپنا
کھینچکر لے گئے خود موج سے بیڑا اپنا

کی ہی مردوں نے اسی طرح سے دنیا میں گزر   ہوئی تکلیف سے یا چین سے اوقات بسر
ہوئے غیر کے تا زیست کبھی دست نگر   جب پڑی اپنے ہی بازو پہ پڑی جا کے نظر

گئے دل جمع یہاں سے کہ پریشان گئے
پر زمانے کے نہ شرمندۂ احسان گئے

ہونگے حالی سے نہ دنیا میں کہیں ہرزہ سرا   خود ہیں گمراہ مگر قوم کے ہیں راہ نما
جھکتے جھکتے ہوئی پشت آپکی خدمتیں دوتا   اس پہ ہی خیر سے آزادہ روی کا دعویٰ

بات کہنی وہی زیبا ہے کہ ہو جس میں اثر
ورنہ بے صرفہ نصیحت سے خموشی بہتر

ترکیب بند

بر مدرسۃ العلوم مسلمانان واقع علی گڈھ

(مرتبہ ۱۸۷۸ء)

جھٹ پٹے سے وقت گھر سے ایک مٹی کا دیا
ایک بڑھیا نے سرِ رہ لا کے روشن کر دیا
تا کہ رہ گیر اور پردیسی کہیں ٹھوکر نہ کھائیں
راہ سے آساں گزر جائے ہر اک چھوٹا بڑا
یہ دیا بہتر ہے اُن جھاڑوں سے اور اُس لیمپ سے
روشنی محلوں کے اندر ہی رہی جن کی سدا
گر نکل کر اک ذرا محلوں سے باہر دیکھئے
ہے اندھیرا گھپ درو دیوار پر چھایا ہوا

سرخرو آفاق میں وہ رہنما مینار ہیں
روشنی سے جنکی ملاحوں کے بیڑے پار ہیں

ہم نے اُن عالی بناؤں سے کیا اکثر سوال
آشکارا جن سے اُنکے بانیوں کا ہے جلال
شان و شوکت کی تمہاری ہے ہوم ہے آفاق میں
دور سے آ آکے تم کو دیکھتے ہیں باکمال
قوم کو اس شان و شوکت سے تمہاری کیا ملا
دو جواب اس کا اگر رکھتے ہو یارائے مقال
سرنگوں ہو کر وہ سب بولیں زبانِ حال سے
ہو سکا ہم سے نہ کچھ الانفعال الانفعال

بانیوں نے تھا بنایا اس لئے گویا ہمیں
ہم کو جب دیکھیں خلف اسلاف کو رویا کریں

شوق سے اس نے بنایا مقبرہ اک شاندار — اور چھوڑا اُس نے اک ایوان عالی یادگار
ایک نے دنیا کی پودے باغ میں اپنے لگائے — ایک نے چھوڑے دفینے سیم و زر کے بیشمار
اک محبّ قوم نے اپنے مبارک ہات سے — قوم کی تعلیم کی بنیاد ڈالی استوار
ہوگی عالم میں کہو سرسبز یہ پھلی مراد — یا وہ اگلوں کی اُمیدیں لائینگی کچھ برگ و بار

چشمہ سرجیون ہے جو بہتا رہیگا یاں وہی
سب اُتر جائینگی چڑھ چڑھ ندیاں برسات کی

دُور سے اُمید نے جھلکی سی اک کھلائی ہے — ایک کشتی ڈوبتے بیڑے کو لینے آئی ہے
قوم کے پیر و جواں سب ہو گئے تھے مردہ دل — دردمندی جوش میں چند اہل دل لکوائی ہے
یاد ہوگے تاریخ میں ہرگز نہ تم اس کی مثال — سلطنت نے قوم کی جو یہاں مدد فرمائی ہے
غیر قوموں نے بھی کی ہی شرط ہمدردی ادا — یہ بنا چلتی ہوا اُنکو بھی دل سے بھائی ہے

آؤ ہم بھی اے عزیزو مغتنم سمجھیں اسے
اک ضروری کام اپنا کم سے کم سمجھیں اسے

یہ مبارک گھر نزولِ خیر و برکت ہی جہاں — جسکی پیشانی سے ظاہر ہیں سعادت کے نشاں
یہ نہال تازہ جس کو اک زمینِ شور میں — خرّم و سرسبز کرنا چاہتے ہیں باغباں
یہ مسیحائی علاج اُس دردِ بے درماں کا ہے — لا دوا ٹھہرا چکے جس کو اطبائے زماں
اور نمونہ اُس عزیز مصر کا جس نے ستم — جنکے ہاتوں سے سہے وہی قحط سے اُنکو اماں
عہد و پیماں اے عزیزو تم سے کچھ کرنے کو ہے — قوم کو پھر برکتیں بے انتہا دینے کو ہے

آرہی ہے اس مکاں کے گوشہ گوشہ سے صدا
قوم اگر سمجھے تو ہوں میں قوم کا حاجت روا

ہے کوئی اکسیر دنیا میں تو ہوں اکسیر میں
اور اصلِ کیمیا کچھ ہے تو میں ہوں کیمیا

ہات آجاتا سکندر کو اگر میرا سُراغ
چھوڑ دیتا جستجوئے چشمۂ آبِ بقا

میرے جو حامی ہیں اُنکی یہ پھلینگی کوششیں
ایک دانے سے ہوں خوشے جس طرح بے انتہا

ہے عبث گر قوم نے بے وقت پہچانا مجھے
برکتیں اُن پر جنھوں نے وقت پر جانا مجھے

اُن سے کہدو قوم میں ہیں جو کہ عالی خانداں
یا جنھیں جاگیر و منصب پر ہے نازِ بیکراں

کیا لیے بیٹھے ہو فخر منصب و جاگیر کو
منصب و جاگیر ہیں سب کوئی دن کے میہماں

تم نہیں رتبہ میں بڑھکر تغلق و تیمور سے
تنگ ہے آج اُن کی نسلوں پر زمین و آسماں

چھوڑ جاؤ واسطے اولاد کے کوئی سپر
ورنہ وار اپنا کریگی گردشِ دورِ زماں

آؤ باندھو عہد مجھ سے اور میرا ساتھ دو
میرا سودا نقد ہے اِس ہات دو اُس ہات لو

میں تمھیں پستی سے پہنچاؤنگا تا اوجِ کمال
میں تمھیں دیکھونگا جب گرتا ہوا لونگا سنبھال

میں بناؤنگا تمھارے کام سب بگڑے ہوے
میں سمجھاؤنگا زمانہ کی تمھیں سب چال ڈھال

جو کرینگے آج میری دست و بازو سے مدد
میں سدا کرتا رہونگا اُن کی نسلوں کو نہال

قوم کا حامی ہے حق اور اسلام کا یاور ہوں میں
چاہو دارالکفر سمجھو مجھ کو یا دارالضلال

میں دکھاؤنگا کہ جو دشمن تھے میرے نام کے
تھے حقیقت میں وہ دشمن قوم اور اسلام کے

ملک میں عزت سے رہنا میں سکھاؤنگا تمھیں　　سلطنت کا معتمد بننا بتاؤں گا تمھیں

قابلیت تم میں بڑھنے کی ہی دیکھوں کس قدر　　بڑھ سکو گے جسقدر اُتنا بڑھاؤنگا تمھیں

تب یہ سمجھو گے کہ ہم سوتے تھے کب کے بے خبر　　دفعتہً جب خوابِ غفلت سی جگاؤنگا تمھیں

یاد ہوگا تم کو وہ کھویا ہوا اپنا خطاب　　پھر مخاطب "خیر اُمّتہ" کا بناؤں گا تمھیں

مجکو دیکھو گر مرے دعووں میں ہو کچھ اشتباہ

روز روشن آپ اپنی روشنی پر ہی گواہ

بارک اللہ اے ریاضِ علم اے عین الحیات　　ہی ہمارے بخت و دولت کی عناں اب تیرے ہات

ہو تو ہو اب روشنی تیری دلیل کارواں　　چار سو کالی گھٹا چھائی ہی اور کالی ہی رات

قوم سے تو بھی یونہیں جہل اور تعصب کو مٹا　　جسطرح دینِ خلیلی سے مٹے لات و منات

چھوڑ جاینگے جہاں میں جو کہ تجھ جیسے نشاں　　چھوڑ جاینگے وہی کچھ باقیات الصّلحٰت

ایک باہمت جماعت جب سے تیرے ساتھ ہی

ہم سمجھتے ہیں ترے سر پر خدا کا ہات ہی

تو سدا آباد رہ اے قوم کی اُمید گاہ　　اے یگانوں اور بیگانوں کے یکساں خیرخواہ

دیکھتے ہیں غیر حیرت اور تعجب سے تجھی　　قوم نے اب بھی اگر سمجھا نہ تجکو آہ آہ

اپنے حامی آپ پیدا کر کے کوہ سربلند　　اپنی پونجی سے ہی آپ اپنے لیے پشت و پناہ

خیر کی امید رکھنی ہی عبث اُس قوم سے　　آپ کو جس نے کیا ہو اپنے ہاتھوں سے تباہ

چارہ آخر کچھ نہیں حالی بجز صبر و سکون　　کر دعا اب اِھدِ قومِی اِنھم لا یعلمون

تعصب و انصاف

(مرتبہ ۱۸۸۲ء)

یاد ہے ہم کو وہ عالم اپنا
جب کہ ہم آپ تھے اپنے پہ فدا

اپنی جو بات تھی خوش آتی تھی
اپنی ایک ایک ادا بھاتی تھی

اپنی ہر آن پہ ہم مرتے تھے
اپنی رعنائی کا دم بھرتے تھے

اپنے انداز کے سودائی تھے
اپنے جلوے کے تماشائی تھے

کان کو اپنی ہی بھاتی تھی آلاپ
سر دھنا کرتے تھے ہم آپ ہی آپ

آپ خوبی پہ تھے اپنے مفتوں
خود ہی لیلیٰ تھے ہم اور خود مجنوں

جس جزیرہ میں ہوئے تھے پیدا
اپنی لے دے کے وہی تھی دنیا

روم کی تھی نہ خبر شام کی تھی
آگہی طوس نہ بسطام کی تھی

تھے تماشائیِ دشتِ پُر خار
کبھی گلشن کی نہ دیکھی تھی بہار

پی کے شور آب ہی ہوتے تھے نہال
کہ نہ چکھا تھا کبھی آبِ زلال

نالۂ زاغ و زغن پر تھے فدا
نہ سنی تھی کبھی بلبل کی صدا

سیر و انگوزہ کی بو پر تھے نثار
کہ نہ برتا تھا کبھی مشک تتار

پرنیاں جانتے تھے کمبل کو
کہ نہ برتا تھا کبھی مخمل کو

ادپری تھی نہ سُنی بات کبھی — بدلے دیکھے تھے نہ دن رات کبھی

ہم بسر کرتے تھے جس عالم میں — واں سماں ایک تھا ہر موسم میں

رُخ ہوا کا نہ بدلتا تھا کبھی — موسم آکر نہ نکلتا تھا کبھی

ایک ہی فصل پہ تھا دار و مدار — واں خزاں جا کے نہ آتی تھی بہار

ایک سی رہتے تھے دن رات سدا — آسماں کو تھی نہ گردش اصلا

تھی سمجھ پیر و جواں کی یکساں — عقل تھی خُرد و کلاں کی یکساں

رکھتے تھے ایک سبق از بر یاد — مبتدی منتہی، شاگرد، اُستاد

واں نہ تھی حدِّ بلوغ صبیاں — پیر بالغ تھے، نہ بالغ تھے جواں

نئی بولی کا وہاں صرف نہ تھا — تیس حرفوں کے سوا حرف نہ تھا

تھے خدا کے وہی ننانوے [99] نام — اور لینا تھا وہاں نام حرام

اہلِ دولت کی نہ تھی عام عطا — ایک ہی سمت برستی تھی گھٹا

تھا نہ دینداروں کو غیروں سے لگاؤ — ایک ہی سمت تھا رحمت کا جھکاؤ

دعوے غیروں کے تھے سب بے صرفہ — فیصلے ہوتے تھے نت یک طرفہ

راستی کا نہ تھا غیروں پہ گماں — حق نہ دائر تھا فریقین میں واں

تھی عناصر میں نہ واں آگ نہ باد — خلق سے ایک موئی مٹی تھی مراد

حِس و حرکت کے کوئی پاس نہ تھا — واں کا حیوان بھی حساس نہ تھا

تھی درختوں کو نہ واں نشو و نما — چلنے پاتی تھی نہ گلشن میں ہوا

گل شگفتہ تھے نہ پودے شاداب　　وہاں زمانہ پہ نہ آتا تھا شباب

وہی مرغوب تھی وہاں پوشش تن　　جس سے آدم نے چھپایا تھا بدن

تھے پسندیدہ اُسی شان کے گھر　　کی تھی حوا نے جہاں عمر بسر

اُسی انداز کے چلتے تھے جہاز　　کشتیِ نوح کا جو تھا انداز

تھی اُسی نسخہ پہ موقوف شفا　　جو تھا بقراط نے ترتیب دیا

ٹوٹ سکتی نہ تھی وہاں رائے قدیم　　تھا اٹل لکھ گئے جو اگلے حکیم

وہاں کسی طرح نہ ممکن تھا خلا　　وہاں نہ پانی تھا مرکب نہ ہوا

گھوڑے دوڑائے تھے اگلوں نے جہاں　　وہی جولانگہِ مردم تھی وہاں

کی تھی جس جا قُدَما نے منزل　　بڑھنے پاتے تھے نہ وہاں سے محمل

علم و فن تھے نئے سارے مردود　　غیب کے وہاں تھے خزانے محدود

نئی لذت سے تھی ہر طبع نفور　　نعمتیں حق کی وہاں تھیں محصور

سب کی گُدی پہ لگی تھیں آنکھیں　　کچھ نہ آگے نظر آتا تھا اُنھیں

پیچھے گر دیکھتے تھے ریگستاں　　سوجھتا تھا اُنھیں وہ آبِ رواں

آگے ہوتا تھا اگر چشمۂ آب　　وہ سراسر نظر آتا تھا سراب

روشنی رکھتی تھی اُن سے اَن بن　　جیسے خفاش سے سورج کی کرن

تھا لکیر اپنی پہ ایک ایک فقیر　　دل پہ ہر نقش تھا پتھر کی لکیر

رسم و عادت نہ بدلتی تھی وہاں　　برف جم کر نہ پگھلتی تھی وہاں

آگ وہاں بجھ کے سُلگتی کم تھی | اور سلگتی تھی تو لگتی کم تھی
شان میں وہاں نہ سُنا تھا حق کی | کُلَّ یَوْمٍ هُوَ فِیْ شَاْنٍ کبھی
وضع میں تھا نہ تغیّر خو میں | جائے دل سنگ تھا ہر پہلو میں
سمجھا جاتا تھا وہ دل بے فرماں | مہر جس دل پہ نہ ہوتی تھی وہاں
بات مشکل تھی دلوں سے جانی | نقش تھے دل کے خطِ پیشانی
غیر کی بات خطا اپنی صواب | سب سوالوں کا تھا واں ایک جواب
چڑھ کے گر بحث کو جاتے تھے کبھیر | فتح کا پہلے سے ہوتا تھا یقیں
تھی وہاں حق کی یہی تفتیش | مونھ سے جو اپنے نکل جائے سُخن
اُسی عالم میں پلے تھے ہم بھی | اُسی ساون کے تھے اندھے ہم بھی

جانتے تھے کہ جہاں میں ہم پر | ختم ہیں سارے کمالاتِ بشر
حق نے جو ہم پہ کیے ہیں احساں | اِن سے محروم ہے نوعِ انساں
سب سے ہر بات میں ہم ہیں افضل | اب نہیں کوئی ترقی کا محل
اپنے حصّہ میں ہے ساری تہذیب | خانہ پرور ہے ہماری تہذیب
جو قدیم اپنا چلن ہے اور چال | خردہ گیری کی نہیں اُس میں مجال
ہے بری عیب سے خوراک اپنی | پاک دھبّے سے ہے پوشاک اپنی
رسم اپنی نہیں بے جا کوئی | طور اپنا نہیں بھونڈا کوئی

آدمیت کے ہمیں ہیں مصداق ۔ ہم سے سیکھے کوئی حُسنِ اخلاق

سب سے عالی ہیں خیالات اپنے ۔ سب مسلّم ہیں کمالات اپنے

ہم چلے جاتے ہیں جس رستے پر ۔ واں نہ کھٹکا ہی کہیں کا نہ خطر

تھے سمائے ہوئے جو دل میں خیال ۔ تھا تصور بھی خلاف اُنکے محال

جس کو اک بار بُرا جان لیا ۔ عمر بھر پھر اُسے اچھا نہ کہا

ٹوٹتی تھی نہ کبھی اپنی دلیل ۔ وہی دعویٰ تھا وہی اپنی دلیل

وہم و شک کی کوئی صورت ہی نہ تھی ۔ ہم کو تحقیق کی حاجت ہی نہ تھی

جو بدلتی تھی نہ بدلی تھی کبھی ۔ رائے ایسی تھی پسند ایسی تھی

ہم سمجھتے تھے نہ سمجھانے سے ۔ اور اُلجھ جاتے تھے سلجھانے سے

سچ وہی تھا جسے سچ جان لیا ۔ جھوٹ تھا جھوٹ جسے مان لیا

حق و باطل کی یہی تھی میزان ۔ جھوٹ اور سچ کی یہی تھی پہچان

ذات باری کو نہیں جیسے زوال ۔ رائے اپنی بھی بدلنی تھی محال

کوہ ہٹ جائے تو یہ تھا ممکن ۔ ہم نہ ہٹتے تھے جگہ سے لیکن

حُسنِ ظن تھا یہ سمجھ پر اپنی ۔ غلطی کا تھا گماں تک نہ کبھی

تھے لڑکپن کے خیالات تمام ۔ دل میں اُترے ہوئے مثل الہام

دیکھتے سنتے تھے جو اُس کے خلاف ۔ نظر آتا تھا وہ سب لاف و گزاف

تھی نئی بات سے یہاں تک نفرت ۔ ہوتی تھی سُننے سے پہلے وحشت

بوئی شے کی جو پا لیتے تھے ناک بن دیکھے چڑھا لیتے تھے

عقل کی تھیں نہ صلاحیں مقبول تھی وہ سرکار میں اپنی معزول

فکر پر زور نہ ڈالا تھا کبھی ہوش ہم نے نہ سنبھالا تھا کبھی

جو کہ تھا اپنی کتابوں میں لکھا کوئی حرف اُس میں جُز الہام نہ تھا

جو کہانی تھی بزرگوں نے کہی تھا وہی فلسفہ اور علم وہی

تھا لباسوں میں لباس اپنا لباس اور سب سو ظنی بے وسواس

تھی زباں اپنی زبانِ پاکاں ماسوا اہل جہنم کی زباں

جلوۂ دہر کا باقی تھا نہ ہوش تھے نشہ میں یہ خودی کے مدہوش

کان میں پڑتی تھی جب بات نئی غیر ہو جاتی تھی حالت دل کی

خرقِ عادت بھی اگر دیکھتے تھے آنکھ اُٹھا کر نہ اُدھر دیکھتے تھے

نئی آواز سے چونک اُٹھتے تھے اور نئی شکل پہ بھونک اُٹھتے تھے

ساری دنیا سے نرالا تھا مذاق ہمکو تھا زہر بھی اپنا تریاق

اپنی حجت کو قوی جانتے تھے بات ہر پھر کے وہی مانتے تھے

تھا نہ قصدِ حق و باطل مطلق جو پڑھا تھا وہی از بر تھا سبق

خصم سے بحث اگر کرتے تھے حق سے ہم قطع نظر کرتے تھے

کاٹ دی خصم نے جو بات کہی بحث و تکرار کی غایت تھی یہی

خصم کی بات کو کرنا تسلیم اپنے نزدیک ہزیمت تھی عظیم

حق کا خطرہ جو کبھی آتا تھا
نفس آپ اپنے کو جھٹلاتا تھا

دشمنی کے یہی معنی تھے کہ جو
ہم کہیں بات وہ تسلیم نہ ہو

ہم اندھیرے کو اگر کہتے تھے نور
دوستوں کو یہی کہنا تھا ضرور

گر خلاف اپنے کوئی بول اُٹھا
اُس سے بڑھکر کوئی بدخواہ نہ تھا

ذکر غیروں کا نہ تھا بے نفریں
کوئی مردود تھا اور کوئی لعیں

غیر کے واسطے تھی نارِ سعیر
باغِ فردوس تھی اپنی جاگیر

اور تھے حرص وہوا کے بندے
ہم تھے مخصوص خدا کے بندے

بخششیں ختم تھیں ساری ہم پر
وقف تھی رحمتِ باری ہم پر

نیک اعمال تھے غیروں کے تباہ
اور مغفور تھے سب اپنے گناہ

عین تحقیق تھی اپنی تقلید
شرک اپنا تھا سراسر توحید

تھا بدی کا نہ گنہ کا کچھ ڈر
پاس ایسی کوئی رکھتے تھے سپر

سب دعا گو تھے ہمارے ملکوت
تھے ہمیں آدم و حوا کے سپوت

حوضِ کوثر پہ تھا قبضہ اپنا
سلسبیل اپنی تھی طوبےٰ اپنا

اپنی ظلمت تھی سراسر تنویر
اپنے اندھوں کو بھی کہتے تھے بصیر

رکھتے جنت میں نہ تھے ہم ساجھی
غیر ناری تھے سب اور ہم ناجی

تھے قضا اور قدر کے مالک
ہم تھے اللہ کے گھر کے مالک

عصبیت میں رہے جب تک چور | کھینچتے یوں ہی رہے آپ کو دور
نظر آتا تھا نہ کچھ پست و بلند | تھے ہم اک کلبۂ تاریک میں بند
دی جب انصاف نے دستک آکر | حجرۂ تنگ سے نکلے باہر
جلوۂ علم و یقیں کو دیکھا | آسماں اور زمیں کو دیکھا
رخِ حقیقت نے دکھایا ہر سو | چاندنا سا نظر آیا ہر سو
کی تعصب سے جو ہیں قطع نظر | ہوا اک اور ہی عالم میں گزر
علم پر تھا نہ جہاں کوئی حجاب | دھو کا پانی کا نہ دیتا تھا سراب
جھوٹ سے سچ نتھر آتا تھا الگ | دودھ پانی نظر آتا تھا الگ
نکتہ چیں یار تھے واں یاروں کے | قدرداں غیر تھے اغیاروں کے
دور بیگانہ نہ تھا خویش سے وہاں | خویش اول تھا نہ درویش سے وہاں
عیب سہتے تھے اپنے خوش خوش | دوغ وہاں اپنی بھی ہوتی تھی ترش
تھی نجس کوئی نہ انساں کی زباں | گاڈ بھی کہتے تھے اللہ کو وہاں
حق کی پہچان جز اخلاص نہ تھی | حق کی کوشش کوئی وہاں خاص نہ تھی
ساتھ اغیار کے کھاتے تھے اگر | کبھی ایماں کا نہ ہوتا تھا ضرر
صلی لمپ جلاتے تھے وہاں | اتقیا میز پہ کھاتے تھے وہاں
نہ سمجھتا تھا وہاں کوئی بشر | آپ کو نوعِ بشر سے بہتر
بھائی انساں تھے سب انسانوں کے | میت ہندو تھے مسلمانوں کے

ایک معدن کے تھے سب لعل و گہر | ایک ڈالی کے تھے سب برگ و ثمر

اشعری، معتزلی، لا مذہب | ایک ماں باپ کی اولاد تھے سب

اپنی ہر رائے پہ کرنا اصرار | کفر واں بس یہی پایا تھا قرار

ہٹ سے باز آتے نہ تھے جو زنہار | تھے وہ بوجہل کی اُمت میں شمار

پاؤں واں جنکے پھسل جاتے تھے | خود پھسل کر وہ سنبھل جاتے تھے

ٹیڑھ واں دل کی نکل سکتی تھی | رائے اپنی بھی بدل سکتی تھی

دیکھ حجت کو قوی پیر و جواں | بند ہو جاتے تھے بچوں سے وہاں

حق کی آواز جہاں آتی تھی | مت کروڑوں کی بدل جاتی تھی

پاک عقلیں تھیں خطا سے نہ علوم | جز نبی کوئی نہ تھا واں معصوم

غور ہر بات میں کی جاتی تھی | مشورت عقل سے لی جاتی تھی

تھی وہاں عقل معطل نہ حواس | سب قویٰ کام میں تھے بے وسواس

آنکھ رہ سکتی نہ تھی بن دیکھے | کان سننے سے نہ باز آتے تھے

سوجھتی تھی جو انوکھی کوئی چیز | جانچتی تھی اُسے واں چشم تمیز

سنتے تھے بات نرالی جب دم | کستے تھے اُس کو محک پر پیہم

کڑوے اور میٹھے کو چکھ لیتے تھے | کھرے کھوٹے کو پرکھ لیتے تھے

پھول ہر خار سے چن لیتے تھے | بھوگ نیچوں کے بھی سن لیتے تھے

عادتیں سب کی بدلتی تھیں سدا | ایک اللہ کی عادت کے سوا

عیب جس رسم میں پا لیتے تھے | دل وہیں اُس سے ہٹا لیتے تھے
اُجلی پوشاک جو مل جاتی تھی | میلے کپڑوں سے شرم آتی تھی
دیکھ لی جسنے کہ شمعِ کافور | تھا وہ چیکٹ بھرے ڈیوٹ سے نفور
ہاتھ آجاتا تھا جب مال نیا | پھینک سب دیتے تھے عطار دوا
گرکے ہوجاتے تھے گھر جنکے کھنڈر | گھر کی واجب تھی مرمّت اُن پر
نت نئی ریت نکلتی تھی وہاں | رُت سماں روز بدلتی تھی وہاں
قافلے چلتے تھے دن رات تمام | کسی منزل پہ نہ کرتے تھے مقام
قبلہ تھا علمِ الٰہی اُن کا | تھا سفر نامتناہی اُن کا
تشنۂ علم تھے وہاں سب ایسے | پیاسے پانی کے ہوں طالب جیسے
نہ مجسطی پہ قناعت تھی اُنھیں | نہ اشارات کفالت تھی اُنھیں
عرشِ تحقیق تھا استھان اُن کا | مصر تیرتھ تھا نہ یونان اُن کا
دیکھا جب عالمِ انصاف کا رنگ | ہم کو خود آنے لگا آپ سے ننگ
خوبیاں اپنی تھیں جو ذہن نشیں | اُن پہ ہم کرنے لگے خود نفریں
عیب سب اپنے نظر آنے لگے | آپ ہم اپنے سے شرمانے لگے
ہوئی وہ بزم خیالی برہم | تھا طلسمات کا گویا عالم
جس کو سمجھے تھے غلط ہم دریا | اک وہ ناچیز سا قطرہ نکلا
تھا کیا جس کو یقیں چشمۂ آب | وہ نمائش تھی حقیقت میں سراب

قصر و ایواں کا گماں تھا جن پر — نکلے آخر وہ گڑھے اور کھنڈر

تھا سبک دانۂ خردل سے سوا — کوہ الوند جسے سمجھا تھا

جب ہر ایک قوم کا ساماں دیکھا — ہم نے وہاں آپ کو عریاں دیکھا

نکلے سب ہیچ خیالات اپنے — ٹھہرے سب پوچ کمالات اپنے

آپ کو اونٹ سمجھتا تھا بڑا — نکلا جب تک کسی گھاٹی سے نہ تھا

چوٹیاں آئیں جو پربت کی نظر — پھر اُٹھایا نہ کبھی اونٹ نے سر

بُھنگا جب تک رہا گولر میں نہاں — تھا وہی اُس کے تصور میں جہاں

پر وہ گولر سے جو باھر آیا — اپنی ہستی سے بہت شرمایا

پردہ جب تک رہا آنکھوں پہ پڑا — حُسن پر اپنے گماں تھے کیا کیا

مُنہ جب آئینہ میں دیکھا جاکر — ہم کو اِک شکل مہیب آئی نظر

ہوا حیرت سے دگرگوں احوال — ڈر گئے دیکھ کے اپنے خط و خال

دیکھا جب آپ کو بالکل معیوب — چُھپ گئے غیروں کے آنکھوں سے عیوب

یک قلم ہو گئی نخوت کافور — بن گیا رشک ہمارا وہ غرور

ناخنِ فکر نے کی دل میں خراش — عیب جویوں کی لگے کرنے تلاش

جن کے طعنوں کی تھی ہم پر بھرمار — اُنکے ہم دل سے ہوئے شکر گزار

ہم نے جانا کہ یہی ہیں دل سوز — چل رہے تیر ہیں جن کے دل دوز

اُنکا غصہ ہے سراسر رحمت — زہر میں اُن کے بھرا ہے امرت

اُنھیں بندوں کے ہیں ایماں سچے ۔۔۔ یہی کافر ہیں مسلماں سچے

قائم انصاف کا جب ہوگا نشاں ۔۔۔ ملنے جائینگے اُنھیں کے احساں

بے خبر کب سے پڑے سوتے تھے ۔۔۔ اُنکی آواز سے ہم چونک اُٹھے

اُن کے طعنوں نے جگایا ہم کو ۔۔۔ زہر نے اُنکے جِلایا ہم کو

یار و اغیار کے عیب اور ہُنر ۔۔۔ آشکارا ہوئے ایک اک ہم پر

حق کے جلوے نظر آئے ہر جا ۔۔۔ اہلِ باطل میں بھی اِک پائی ادا

ملا ہر راہ میں باطل کا سُراغ ۔۔۔ اہلِ حق کو بھی نہ پایا بے داغ

اہلِ تقوے کی ریائیں دیکھیں ۔۔۔ اہلِ حکمت کی خطائیں دیکھیں

زشتیاں دیکھیں نکوکاروں میں ۔۔۔ خوبیاں پائیں گنہگاروں میں

کلب کی پاک سرشتی دیکھی ۔۔۔ پائے طاؤس کی زشتی دیکھی

عیب بھی دیکھے ہنر بھی دیکھے ۔۔۔ خار دیکھے تو ثمر بھی دیکھے

ہُنر اغیار میں پائے اکثر ۔۔۔ عیب اپنے نظر آئے اکثر

دفترِ علم کو ابتر پایا ۔۔۔ عِلم کو جہل سے بدتر پایا

مجلسیں غیبت و بہتان سے پُر ۔۔۔ صحبتیں جھوٹ سے طوفان سے پُر

منقطع بھائی کی بھائی سے اُمید ۔۔۔ اپنا بیگانہ ۔ لہو سب کے سفید

پاک بندوں کی زباں پر دشنام ۔۔۔ نہ ثقات اس سے بری اور نہ کرام

فقرا مکر و ریا کے پُتلے ۔۔۔ اغنیا حرص و ہوا کے پُتلے

شیخ عیار تو زاہد پُر فن / مولوی عقل کے سارے دشمن

پیاز کی طرح نرے پوست ہی پوست / قوم کے دوست، مگر ناداں دوست

حالت القصہ جو دیکھی اپنی / کوئی کل پائی نہ سیدھی اپنی

سارے آوے کو ٹٹولا جا کر / کوئی برتن نہ سڈول آیا نظر

پایا اک دین کا محکم قانوں / وہ بھی یاروں کی بدولت مطعوں

دیکھی آنکھوں سے جو یہ حالتِ زار / جی بھر آیا نہ رہا صبر و قرار

گو نہ تھا تلخ نوائی کا محل / آہیں دو چار گئیں دل سے نکل

تلخ گزرے جو کسی کو یہ صدا / حق میں تلخی کے سوا اور ہے کیا

کلمۃ الحق

(مرتبہ ۱۸۸۳ء)

اے راست گوئی کیا قہر ہے تو
اے حق کی تلخی کیا زہر ہے تو

شے کوئی تجھ سے کڑوی نہ ہوگی
حنظل میں ایسی تلخی نہ ہوگی

ہے ناگواری پہچان تیری
اَلْحَقُّ مُرٌّ ہے شان تیری

یاروں کو کرتی اغیار تو ہے
چلواتی گھر گھر تلوار تو ہے

رشتے ہزاروں تو نے تڑائے
باپوں سے بیٹے تو نے چھڑائے

سقراط کو زہر تو نے دلایا
شبّیر کو قتل تو نے کرایا

بے جرم مسموم تو نے کرائے
سولی پہ معصوم تو نے چڑھائے

رخنے عرب میں تو نے نکالے
بدر و اُحد میں رن تو نے ڈالے

موسیٰ کو مدین تو نے بھگایا
احمدؐ سے مکہ تو نے چھڑایا

تو نے صلے میں بخشے ہیں اکثر
سولی کے اور نگ، کانٹوں کے افسر

مظلوم کتنے تیرے سہارے
"ایلی ایلی" کہتے سدھارے

خونخوار لشکر ہیں ساتھ تیرے
رنگیں لہو میں ہیں ہات تیرے

تیری جلو میں رسوائیاں ہیں
سنگت میں تیری تنہائیاں ہیں

تدبیر ہے تو ناکامیوں کی
تقریب ہے تو بدنامیوں کی

تو آشتی کی رہتی ہے دشمن
تو مصلحت سے رکھتی ہے اَن بَن

قطع و برش ہے تاثیر تیری
رہتی ہے ننگی شمشیر تیری

ہوتی ہے جس جا تو جلوہ گُستر
دفتر بہت سے ہوتے ہیں ابتر

پڑتی ہے ہل چل ہر مرحلے میں
آتی ہے دنیا اِک زلزلے میں

حق معبدوں میں ہوتا ہے داخل
ہوتے ہیں جھوٹے معبود باطل

اُٹھتا ہے عملہ لات اور صفا کا
ہوتا ہے گھر پر قبضہ خدا کا

عبرانیوں کا اُڑتا ہے پرچم
صف قبطیوں کی ہوتی ہے برہم

ہوتے ہیں اغیار احمد کے ساتھی
بوجہل کے سب چھٹتے ہیں ناتی

اے راست گوئی اے تیغ بُرّاں
تیرا مخالف کیوں ہو نہ دوراں

سب وحشت آگیں مضموں ہیں تیرے
نت مصلحت پر شب خوں ہیں تیرے

گُن تیرے جن پر ظاہر ہوئے ہیں
وہ تیری دُھن میں آخر ہوئے ہیں

اُمڈا جہاں سے سیلاب تیرا
پھر واں نہ کشتی ٹھہری نہ بیڑا

اُٹھتی ہیں دل سے جب تیری موجیں
ہوتی ہیں نازل واں حق کی فوجیں

دیتی ہے ہمت اُن کو سہارے
کرتی ہے اُمید پنہاں اشارے

عزم اُن کی مشکل کرتا ہے آساں
دل اُن سے لاکھوں کرتا ہے پیماں

چھا جائے ظلمت گو بحر و بر میں
ہے روزِ روشن اُن کی نظر میں

زور اُن پہ تیرے ہیں آشکارا
مٹھی میں اُن کی عالم ہے سارا

عظمت جہاں ہے تیری سمائی
پربت وہاں ہیں نظروں میں رائی

شاہوں سے گردن جھکتی نہیں واں
طوفاں پہ کشتی رُکتی نہیں یہاں

اے راست گوئی تو ہے وہ افسوں
منکر بھی دل سے ہیں جس پہ مفتوں

تلخی میں تیری طرفہ مزا ہے
ہر دل میں چبھتی تیری ادا ہے

تو نے جہاں دی آواز جا کر
لاکھوں سر اُٹھے تیری صدا پر

ہوتی ہے دھیمی پرواز تیری
بڑھتی ہے کم کم آواز تیری

پھر دوڑتی ہے یوں مرد و زن میں
جس طرح آتش لگتی ہے بن میں

بنتے ہیں دشمن انصار تیرے
ہوتے ہیں قیدی احرار تیرے

پطرس نے چھوڑے یار آشنا سب
یرؔدن پہ دیکھی تیری ادا جب

ڈالا عمر پر جب تو نے سایہ
ارقم کے گھر میں آ سر جھکایا

آہٹ سی تیری کرتے ہیں جو رم
ہیں گدگداتے دل اُن کے ہر دم

جوں جوں وہ زد سے کرتے ہیں دوری
ضرب اُن پہ تیری پڑتی ہے پوری

جاتا ہے آ ہو جب چوٹ کھا کر
گرتا ہے آخر تجھ سے دور جا کر

تجھ سے بھی جو ہیں وحشی بدکتے
پھر پھر کے تجھ کو جاتے ہیں تکتے

گو حق کی تلخی پائے ہوئے ہیں
پر چوٹ دل پر کھائے ہوئے ہیں

بھاگے ہیں کھا کر زخمِ نہاں وہ | جائیں گے بچ کر تجھ سے کہاں وہ

دل دوز ہیں سب تیری ادائیں | کڑوی ہیں تیری ساری دوائیں

زہرِ ہلاہل برسوں پئیں جب | بیمار تیرے پائیں شفا تب

دیتی ہے اول تو زخم کاری | مرہم کی آخر آتی ہے باری

کل ہے مسرت ہے آج غم تو | دیتی ہے امرت کہتی ہے سم تو

ہوتی ہے سچ سے جب کو نفرت | تو جھوٹ پر وہاں کرتی ہی لعنت

جس جا تعصب ہی عینِ ایماں | انصاف کا غل کرتی ہی تو وہاں

رسمِ سلف پر مرتے جہاں ہیں | رسموں پہ حملے تیرے وہاں ہیں

تقلید جس جا ہے طوقِ گردن | تقلیدیوں سے ہی تیری اَن بَن

کرتی ہے وہاں تو وعظ کو رسوا | ہی وحیِ منزل قول اُس کا جس جا

وہاں مفتیوں پر ہیں تیرے دھاوے | ہیں مثلِ قرآں جس جا فتاوے

پجتی ہیں قبریں جب اولیا کی | تو ہے دُہائی دیتی خدا کی

جس ملک میں ہے تیری غلامی | ہوتی ہی تو وہاں بردوں کی حامی

غل بھیڑیوں کا پڑتا جہاں ہی | تو بکریوں کی وہاں پاسباں ہی

زہر اُس عسل کو تو ہے بتاتی | جس میں حلاوت ہی سب کو آتی

اُس نیش میں تو کہتی شفا ہے | نیشِ اجل کا جس میں مزا ہے

ہندی میں تیری تازی کی بو ہے | مشرق میں کہتی مغرب کی تو ہے

جس سرزمیں میں پانی ہے عنقا — تو چھیڑتی ہے وہاں ذکرِ دریا

ہر سو جہاں ہی طغیانِ باران — شور العطش کا کرتی ہی تو وہاں

سانپوں کا خطرہ پاتی جہاں ہے — اندھوں کے آگے کرتی فغاں ہے

طوفاں کی حالت پہلے سے پاکر — بیڑوں میں چرچا کرتی ہی جا کر

ڈاکے کی آمد ڈاکے سے پہلے — کہتی ہی جا کر تو کارواں سے

بلبل ہے گل پر جب چہچہاتی — اُس دم خزاں سی تو ہے ڈراتی

پاتی ہے گھر میں جب کچھ دھواں تو — "آگ آگ" کا غل کرتی ہی وہاں تو

سب دیکھتی ہے تو میں بگڑتی — ہے آگ میں تو قوموں کی پڑتی

کرتی ہے ظاہر اُن کی خطائیں — دیتی ہے اُن کو بیچیدہ رائیں

گہ منعموں پر تو ہے برستی — گہ جھاڑتی ہی مفلس کی ہستی

دیتی ہے طعنے بے غیرتوں کو — کرتی ہے رسوا بے عزتوں کو

للکارتی ہے تو کاہلوں کو — دھتکارتی ہے تو جاہلوں کو

جھڑکی ہی تیری عادت میں داخل — ترشی ہے تیری طینت میں داخل

بگڑے ہیں تجھ سے دل بے نہایت — لاکھوں نے کی ہی تیری شکایت

یہاں نام تیرا جس نے لیا ہے — عالم کو اپنا دشمن کیا ہے

احکام تیرے ٹلتے رہے ہیں — تیرے نوشتے جلتے رہے ہیں

پہنچایا جس نے پیغام تیرا — جمہور میں وہ بدنام ٹھہرا

کتنوں نے جانا ساحر نبی کو — کتنوں نے مانا کافر علی کو

طوفان اٹھائے اہلِ ہدیٰ پر — بہتان باندھے زین العبا پر

نعمانؒ کو دی بدعت سی نسبت — کی شافعیؒ پر برپا قیامت

مالکؒ پہ لائے آفت جفا جو — یہاں تک کہ اکھڑا مفصل سی بازو

کی ابنِ حنبلؒ کی یہ مدارا — چہرہ پہ تھوکا کوڑوں سے مارا

نکلے ائمہ اکثر وطن سے — خالی ہوا رے ابنِ حسن سے

کتنوں کی باندھیں ذلت سی مشکیں — کتنوں کی رسّی ڈالی گلے میں

مرتد بتایا اہلِ یقیں کو — ٹھہرایا زندیق اربابِ دین کو

اے کلمہ حق تیری بدولت — مردوں پہ گذری کیا کیا مصیبت

ٹھہرے جہاں میں بیگانے سب سے — تجھ پر ہوئے وہ دیوانے جب سے

دنیا نے ان پر گو ظلم توڑا — دامن انھوں نے تیرا نہ چھوڑا

ہی تلخ شیریں ہر بات تیری — سننے میں کڑوی کہنے میں میٹھی

کانوں کو تو ہے گو ناگوارا — مونھ سے نکلنا تیرا ہے پیارا

جو حرفِ حق سے بھاگے بگڑ کر — حق ان کو لایا گردن پکڑ کر

حق کے سب آخر طالب ہوئے ہیں — نیت حق کے دعوے غالب ہوئے ہیں

ہوتا نہ ہرگز جگ میں اجالا — حق کا نہ ہوتا گر بول بالا

اے رحمت گوئی اے ابرِ رحمت
ہی اس چمن میں سب تیری برکت

گر تو نہ ہوتی یہاں سایہ افگن
برباد ہوتا کب کا یہ گلشن

عالم ہے سرسبز تیرے قدم سے
آباد یہ گھر ہے تیرے دم سے

باغِ جہاں کو چھانٹا ہی تونے
اکثر خزاں کو ڈانٹا ہی تونے

تو بیکسوں کی یاور رہی ہے
تو گمرہوں کی رہبر رہی ہے

جن بستیوں میں تو چھا ئی
کھیتی انھیں کی یہاں لہلہائی

بند اپنی جس جا تونے زباں کی
نکبت نے منزل آکر وہاں کی

رہبر نہ ہوتا گر نور تیرا
یونان میں ہوتا ہر سو اندھیرا

گر مصر کی تو کھوتی نہ خامی
مصری نہ ہوتے عالم میں نامی

سریا میں حق کا جھنڈا نہ گڑتا
سایہ اگر وہاں تیرا نہ پڑتا

جنبش نہ ہوتی گر تیرے لب کو
قبلہ نکرتے خاکِ عرب کو

ہوتے رہے ہیں سب ملک و ملت
سرسبز تجھ سے نوبت بہ نوبت

مشرق میں جب تھی تیری حکومت
چھائی ہوئی تھی مغرب میں ظلمت

جب دَور تیرا مغرب میں آیا
مغرب کو تونے مشرق بنایا

کھلتے رہے ہیں گل تیرے ہر سو
مہکی ہی اکثر یہاں تیری خوشبو

گو تجھ میں تلخی حد سے سوا ہے
پر تیری دارو صحت فزا ہے

ہر بول تیرا جوشِ غضب میں
ہی حق کی آواز راہِ طلب میں

گو علم کی تو ہے زندگانی | پر جہل تیرا دشمن ہی جانی
جاہل ہمیشہ تجھ سے لڑے ہیں | ناداں ہزاروں تجھ سے اڑے ہیں
لاکھوں بلائیں آئی ہیں تجھ پر | اکثر گھٹائیں چھائی ہیں تجھ پر
ملکوں سے تجھ پر حملے کیے ہیں | قوموں نے تجھ سے بدلے لیے ہیں

اے کلمۂ حق اے سِرّ یزداں | ق | جس وقت ہو تو پردہ سے عُریاں
ہوں تیرے جس دم انصار تھوڑے | ۲ | دشمن بہت ہوں اور یار تھوڑے

عالم ہو تیرا جب ناشناسا
حالی کو رکھیو اپنا شناسا

مناظرۂ واعظ و شاعر

(مرتبہ ۱۸۸۳ء)

کل جو میں نے بسترِ راحت پہ جا کر دم لیا ۔۔۔ دل کو اک وقفہ غمِ دنیا سے فرصت کا ملا
کی تصور نے وہیں اک بزمِ رنگیں آشکار ۔۔۔ مجلسِ اربابِ معنی جس کو کہنا ہے بجا
گرم تھا واں ہر طرف ہنگامۂ بحث و نظر ۔۔۔ سرخرو گلگونۂ حجت سے تھا ہر مدعا
شمعِ استدلال میں روشن تھا فانوسِ بیاں ۔۔۔ چار سو ہنگامہ آرا تھی لم و لا کی صدا
تھے فراہم جسقدر اُس بزم میں اہلِ کمال ۔۔۔ تھا شرف کا اپنے اپنے فن کے سبکو ادعا
مولوی کہتے تھے غیر از علمِ دیں سب ہیچ ہے ۔۔۔ فلسفی کہتے تھے ہر فن کی ہے حکمت پر بنا
صوفیِ صافی اِدھر کچھ کہہ رہا تھا زیرِ لب ۔۔۔ واعظِ مُعجب اُدھر کچھ بک رہا تھا برملا
خود فروشی کا غرض تھا ہر طرف بازار گرم ۔۔۔ ساز گوناگوں تھے لیکن ایک تھی سبکی صدا
شاعرِ مغرور بھی اک سمت خنداں زیرِ لب ۔۔۔ سُن رہا تھا لافِ اہلِ فضل اور خاموش تھا
جا کے پہنچا جب وہاں تک دورِ صہبائے سخن ۔۔۔ دفعتہً مجلس سے اُٹھا اور ہوا یوں خود ستا
دعوئے فضل و براعت اُسکو زیبا ہے یہاں ۔۔۔ جو کوئی تلمیذ رحمٰن تم میں ہو میرے سوا

ہے تصرف میں ہمارے عرصۂ دشتِ خیال | کچھ نہیں معلوم جس کی ابتدا اور انتہا

رہروی میں ہم کو چشم و گوش پر تکیہ نہیں | ہیں ہمارے بال و پر اندیشۂ فکرِ رسا

صاف ہوتا ہے بیاں اپنا خس و خاشاک سے | پاک ہو جیسے وساوس سے دلِ اہلِ صفا

اتفاقاً گر کسی کی مدح پر آ جائیں ہم | خاطرِ دشمن میں اسکا نقشِ الفت دے بٹھا

خاک کو چرخِ بریں پر دیں اگر ترجیح ہم | ماند ہو تارے کے آگے مہرِ تاباں کی ضیا

وصفِ خوباں ہم سے گر سن پائے سالک ایکبار | ہو نہ ہرگز بچۂ عشقِ مجازی سے رہا

گر کریں ہم گل رخوں کی بیوفائی کا بیاں | ہو نہ بلبل پھر چمن میں روئے گل پر مبتلا

کھینچدیں گر خاطرِ مشتاق کی تصویرِ شوق | قیس کی کرنی پڑے لیلےٰ کو جا کر التجا

ہیں ہماری مدح کے پیر و جواں امیدوار | اور ہماری ہجو سے تھراتے ہیں شاہ و گدا

گرمیٔ بزمِ حریفاں ہے ہماری ذات سے | بادۂ گلگوں کا ہے ہر بات میں اپنی مزا

فکر اپنی لغزشِ اہلِ نظر سے پاک ہے | ہم جہاں چلتے ہیں وہاں مسدود ہے راہِ خطا

کچھ نہیں اپنا ضرر گر ہو روایت میں خلل | جھوٹ سے ہوتی ہے یہاں رونق عبارت کو سوا

دی نہیں گویا شریعت نے ہمیں تکلیف کچھ | جو نہیں جائز کسی کو ہے وہ سب ہم کو روا

خود ستائی جو کسی کو جز خدا پھبتی نہیں | آ کے ہو جاتی ہے شاعر کی زباں پر خوشنما

فحش اور دشنام کو ملتا ہے یہاں تنگِ قبول | گالیاں دے دے کے ہم سنتے ہیں اکثر مرحبا

جب یہ بالاخوانیاں شاعر کی واعظ نے سنیں | مسکرایا اور یہ فرمایا کہ اے ہذیاں سرا

شیوہ تیرا بوالفضولی اور یہ لاف و گزاف! ‏ پیشہ تیرا یاوہ خوانی اور تہنا ادّعا

اُمت برحق کے عالم جو ہیں از روئے خبرِ حق ‏ وارثِ علمِ نبی قایم مقامِ انبیا

کیا ادب جاتا رہا اُن کا بھی تجھکو اے سفیہ ‏ بر سرِ مجلس ہے تو جو اس طرح بنکارتا

گو نہیں گنتی میں اہلِ علم کی یہ خاکسار ‏ پر سنے جاتے نہیں یہ تیرے دعوے ناروا

ہر سخن کا اِک جدا ہوتا ہے موقع اور محل ‏ ہزل و سُخریت کجا بزمِ خردمنداں کجا

علم اور حکمت کے ہوں جس بزم میں دفتر کھُلے ‏ کس نے دی ہے تجھکو واں ہرزہ گوئی کی رضا

شعر مستحسن گر ہوتا تو قرآں میں اُسے ‏ کیوں خلافِ شانِ ختم المرسلیں کہتا خدا

شان میں بالعلم[1] یزری جسکی آیا ہے صریح ‏ فخر ہے اُس شعر پر تجھکو یہ اے شتر الوریٰ

چاہیئے انفاس اہل الذکر[2] سے ہو مستفید ‏ ہو نہ جس کو علم سنت اور کتاب اللہ کا

خود ہو تم بے علم اور صحبت سے اہلِ علم کی ‏ بھاگتے ہو جیسے شیطاں ہے اذاں سے بھاگتا

ہے یہی باعث کہ بک اُٹھتے ہو تم بے اختیار ‏ جو تمھارے مُنہ میں آتا ہے سزا اور ناسزا

اُس زبانِ یاوہ گو کو اپنی کیا سمجھا ہے تو ‏ جرم گو چھوٹا ہے اُس کا جُرم ہے لیکن بڑا

بے حقیقت ہیں ترے سارے خیالاتِ بُلند ‏ ہجو ہے تو بے اثر اور مدح ہے تو بے صفا

ہے جہاں خامے کو تیرے خدمتِ مشّاطگی ‏ مورت اک پتھر کی ہے واں حورِ جنت سے سوا

بال سے باریک تر معشوق کی تیرے کمر ‏ رات سے تاریک تر ہجرِ صنم میں دن ترا

شش جہت میں تو کرے برپا قیامت شاتِ یار ‏ یار سے اپنے اگر دم بھر کو ہو عاشق جدا

[1] عربی میں یہ مقولہ مشہور ہے کہ الشعر یزری بالعلم یعنی شاعری عیب لگاتی ہے علم کو ۱۲ [2] اہل الذکر سے مراد علماء دین ہیں

تیغِ چوبیں کی ہو گر بُرّش بیاں کرنی تجھے — ہی تنزل گر اُسے ٹھہرائے تو تیغِ قضا

ہو جہاں لکھنی تجھے اسپِ کلی کی جست و خیز — اک ترارے میں اُسے پہنچائے تو فوق السما

تو ہوا مدح و ثنا میں جس کی سرگرمِ غلو — اور اُلٹا خوبیوں پر اُسکے پردہ پڑ گیا

پرلے درجے کا تنزل ہے اگر ٹھہرائے تو — جم کو اُس کے در کا درباں و بہمن کو گدا

بہمن و جمشید یہاں بیچارے کس گنتی میں ہیں — تنگ ہیں ہاتھوں سے تیرے انبیا اور اولیا

لکھّے تو اک گربۂ مسکیں کو سارا منزلت — اور کہے اک لُعبتِ سنگیں کو تو یوسف لقا

فی المثل گر ہو ترا ممدوح اک برگِ گیاہ — اُس میں ثابت کر کے چھوڑے تو صفاتِ کبریا

بادخوانوں سے سوا ہو تجھ کو فکرِ تہنیت — خواب میں سُن پائے تو گر کوس شادی کی صدا

ہند میں غل ڈال دے تو نالہائے شوق سے — چین میں شہرہ ہو گر اک شاہدِ نوخیز کا

شعر کو الہام سمجھے گر نصیبوں سے کبھی — کان میں پڑ جائے تیرے ایک جھوٹی واہ وا

مذہبِ شاعر میں جس کا دینِ باطل نام ہے — راستی اور صدق سے بڑھکر نہیں کوئی خطا

سر بسر اقوال تیرے کچھ ہیں اور افعال کچھ — ہے زبانِ گوہر افشاں پر نعم اور دل میں لا

شان میں آیا ہے جن کے قول ما لا یفعلون[۵] — چشمِ بد دور آپ کے ہادی ہیں وہ اور مقتدا

ایسے دروازے بہت کم پائینگے آفاق میں — جن پہ صبح و شام تونے دی نہ ہو جا کر صدا

ہے زبان و خامہ تیرے تابعِ فرمانِ حرص — کام تجھکو کچھ نہیں جز مدح و قدح اغنیا

مدح میں حد سے زیادہ جن کی کرتا ہے غلو — گالیاں دیتا ہے تو اکثر اُنھیں کو برملا

[۵] قرآن میں شعرائے جاہلیت کی نسبت فرمایا ہے کہ انھم یقولون ما لا یفعلون یعنی وہ کہتے ہیں جو نہیں کرتے

جیسے دروازوں پہ پھرتے ہیں دعا دیکر فقیر
مدح تو بھی ختم کرتا ہے یونہیں دے کر دعا

ہر دعا میں ہے مقدر شرطِ ان اعطیتنی
صاف لعنت کا دعا میں تیری آتا ہے مزا

پردۂ عرضِ ہنر میں مانگتا ہے بھیک تو
گر یہی ہے شاعری تو تجھ سے بہتر ہے گدا

زہر دل کا جب کہ واعظ نے لیا سارا اگل
اور نہ کوئی تیر باقی اُس کے ترکش میں رہا

سُن کے شاعر نے کہا بس اے خدنگ انداز بس
ہے زباں تیرے دہن میں یا سنانِ جاں گزا

چوٹ تھی تیری سخن پر جا پڑی اخلاق پر
تو نے چاکِ پیرہن کو تا جگر پہنچا دیا

خردہ گیری کے لیے حاضر ہے شاعر کا کلام
اس سے کیا مطلب کہ ہے وہ بندۂ حرص و ہوا

تو اگر معصوم ہو تو کچھ کہی جاتی نہیں
پھنس رہا ہے ورنہ اس پھندے میں ہر شاہ و گدا

کھیلتے پھرتے ہیں میدان جہاں میں سب شکار
آڑ میں ٹٹی کے لاکھوں اور ہزاروں برملا

حرص ہوتی جسم میں انسان کے گر جائے خو
شاعروں سے تیرے چہرے کی دمک ہوتی ہوا

میں نے اِن آنکھوں سے اے واعظ لباسِ تقویٰ میں
جَو فروشی کرتے دیکھے ہیں بہت گندم نما

ضبط ہے اِک تم کو (کہدوں گر بُرا مانو نہ تم)
آپ ہو بیمار اور اوروں کو دیتے ہو دوا

آپ میں تسبیح و ذکر و طاعت و زہد و ورع
خوبیاں سب کچھ سہی۔ پر دل کا مالک ہے خدا

میں بتاؤں آپ کو اچھوں کی کیا پہچان ہے
جو ہیں خود اچھے وہ اوروں کو نہیں کہتے بُرا

بات حق ہو یا کہ باطل۔ تیری مرضی کے خلاف
مونھ سے نکلی اور تجھے تکفیر کا پہلو ملا

ترکِ اولیٰ پر فضیحت جس قدر کرتا ہے تو۔
قتل انساں پر نہیں ملتی کہیں ایسی سزا

ہے فقط دوزخ تری سرکار میں جنت نہیں | چوک جس سے ہو گئی کچھ پھر نہیں تو بخشتا

عاصیوں کی مغفرت جن سے نکلتی ہے صریح | ایسی آیات اور حدیثوں سے ہی تو جی میں خفا

گر خدا بھی واعظو ہوتا تمہیں سا سخت گیر | اس چمن کو دیکھتا کوئی نہ پھر پھولا پھلا

گرم بازاری اسی میں اپنی بس سمجھے ہو تم | لوگ ہوں بدراہ اور اُن کے بنو تم رہنما

چاہتے ہو تم یہاں کثرت معاصی کی یونہیں | ہیں اطبا چاہتے جس طرح امراض و وبا

آپ اُن باتوں کو اِک بہتان سمجھینگے مگر | سوجھتی اکثر نہیں انسان کو اپنی خطا

جو کہوں میں اس کو باور کہ نہیں ہمیں خلاف | شاعروں کے کذب سے بدتر ہے واعظ کی ریا

یہ بھی کوئی جھوٹ ہے ہم جسکے خود ہیں معترف | جھوٹ وہ ہے جو ہو پردے میں تقدس کے چھپا

دعوتوں میں سچ بتا جس شوق سے جاتا ہے تو | ایک بھی کی ہے نماز اُس شوق سے تو نے ادا

یاد ہے وہ تیرا کہنا دیکھ کر کھانے سے چنے | دین[1] قائم ہے ابھی یارو کرو شکر خدا

مدرسے کوشش سے تیری گو بنے ہیں شہر شہر ق | مسجدیں بھی تو نے بنوائی ہیں اکثر جا بجا

پر یہ حیرت ہے کہ ان کاموں میں جو لاگت لگی | اُس سے وہ چندہ آپ کے دیوان خانہ میں لگا

مجرموں کے جرم شاید ہوں نہ اتنے خوفناک | نیکیاں تیری ہیں جیسی پُر خطر روز جزا

ہے یقیں اتنا ہی ہو گا اپنے دل میں تو حقیر | جس قدر مانا ہے زید و عمر نے تجھکو بڑا

کر دیا رسوا تری تزویر نے تذکیر کو | ورنہ اِک منصب تھا یہ شایان شانِ انبیا

لطف ہے تو دلربا اور قہر ہے تو دل فریب | سحر ہے افسوں ہے جادو ہے تری جو ہے ادا

---

[1] یعنی علما کی دعوت میں ایسے ایسے تکلفات کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ دنیا میں دیندار لوگ بھی موجود ہیں اور دین قائم ہے ۱۲

گہ جہنم سے ڈرا کر چاہتا رشوت ہے تو — گاہ حوروں پر لبھا کر مانگتا ہے رونما

گونجتا ممبر پہ ہے یوں بیٹھکر گویا کہ آپ — آسماں سے لے کے اُترے ہیں ابھی حکمِ خدا

ہات میں تیرے ہی گویا نار و جنت کی کلید — جس نے پوجا[1] تجھ کو وہ فردوس میں داخل ہوا

نیکیاں برباد ہیں ساری تیری خدمت بغیر — فرقۂ ناجی ہے بس اِک پوجنے[1] والا ترا

اپنی اک اُمت الگ سب سے بنانے کیلیے — تفرقے ڈالے ہیں دین حق میں تونے جابجا

تیرے گھرے ہیں مسلمانوں میں ہی جبتک نزاع — اختلاف اُمت کا حق میں تیری رحمت ہو گیا

جس طرح جھگڑوں کے خواہاں ہیں عدالتوں میں وکیل — مانگتا ہی تو نہیں باہم خصومت کی دُعا

چاہتا ہی قوم میں جوتی سدا چلتی رہے — کشتیِ اسلام کا پھر کیوں نہو تو ناخدا

شاعروں کو بس اسی موُنھ سے گدا کہتا ہی تو — اے اسیرِ دامِ نفس اے بندۂ حرص و ہوا

کچھ گدا کہنے سے تیرے ہم گدا ہوتے نہیں — ورنہ ہم بھی یوں تو کہہ اُٹھتے ہیں بعضوں کو گدھا

شاعری پر ہی بڑا طعن حضرت کا کہ ہم — حد سے بڑھ جاتے ہیں جب کرتے ہیں مدحِ اغنیا

طعن کچھ بیجا نہیں رکھتے ہیں پر اِک عذر ہم — غور کرنا عذر پر ہے شیوۂ اہلِ صفا

سب پہ روشن ہے کہ ہم لوگوں کا اک پیشہ ہے مدح — جیسے تم لوگوں کا پیشہ ہے یہی مکر و ریا

اپنے اپنے کام اور پیشہ میں ہم ہوں یا کہ تم — کرتے ہیں ہوتا ہی جو کچھ مصلحت کا مقتضا

وعظ میں دیتے ہو آخر داستاں کی چاٹ تم — راستی سے کام جب چلتا نہیں تسخیر کا

مدح میں ہم بھی یونہیں کرتے ہیں رنگ آمیزیاں — جب تنِ ممدوح پر کھلتی نہیں سادی قبا

[1] پوجنا محاورے میں نذر کرنے کو کہتے ہیں ١٢

پھول پھل سے سرو کو بے بہرہ جب پاتے ہیں ہم
ایک طرۂ اس میں آزادی کا دیتے ہیں لگا

سوسن و نسرین و گل میں جب وفا پاتے نہیں
ضعفِ رنگ و بو سے ہم دیتے ہیں عیب اُنکا چھپا

پر ہم ان پردے میں خوداپنا دکھاتے ہیں کمال
ورنہ ایسی مدح ہے ممدوح کے حق میں ہجا

اس سے بڑھکر ہجو ہو سکتی ہی کیا انسان کی
لکھیں اعمیٰ کو بصیرا اور راہزن کو رہنما

عدل میں لکھتے ہیں ہم نوشیروانِ عہد انھیں
ایک منکوحہ کا حق ہوتا نہیں جن سے ادا

حاتمِ وقت اُنکو ٹھہراتے ہیں جن کا بذل و جود
اس لیے ہی تاکہ حاصل حاکموں کی ہو رضا

زیرکی میں اُن کو کہتے ہیں ارسطوئے زماں
ہمنشیں احمق بناتے ہیں جنھیں صبح و مسا

کہتے ہیں کس شد و مد سے ہم اُنھیں بیدار مغز
جو نہیں واقف کہ آمد کیا ہے اور ہی خرچ کیا

جو غلامانہ خوشامد کرتے ہیں حکام کی
اُن کی آزادی پہ ہم کہتے ہیں سو سو مرحبا

اُن میں ثابت کرتے ہیں ہمدردیِ نوعِ بشر
آپ کو گنتے ہیں جو نوعِ بشر سے ماورا

حامیِ اسلام دیتے ہیں خطاب اُن کو کہ جو
کرتے ہیں رُسوا چلن سے اپنے نام اسلام کا

یاورِ خلق اُن کو کہتے ہیں جنھیں سے واعظو
تم کسی کے کام کا رکھتے نہیں اپنے سوا

مدح کی جاتی ہے یہاں اکثر اسی انداز سے
شیخ ہو ممدوح یا واعظ غنی ہو یا گدا

قطبِ دوراں اُن ریاکاروں کو ٹھہراتے ہیں ہم
آپ کو بھی جو سکھائیں مدتوں مکر و دغا

اُن فسوں سازوں کو ہم لکھتے ہیں ذوالنونِ زماں
بیٹھکر ممبر پہ جو آنکھوں کا کاجل لیں اُڑا

آپ جھٹ اُس کو سمجھے جو مدح وہ بے مغز ہی
نام اسی کا مدح ہی تو ہجو ہے پھر چیز کیا

چبھتی اور کھبتی سخنور نے یہ کی تقریر جب | اور لگے سب مسکرانے دیکھ کر یہ ماجرا
دل میں واعظ نے پڑھی لاحول اور سمجھا کہ میں | چھیڑ کر اک بے ادب کو مفت میں رسوا ہوا
پر بظاہر داغ یہ دامن سے دھونے کے لیے | ہنس کے اک سنجیدگی سے اور متانت سے کہا
ہو چکیں باتیں ہنسی کی اب کرو کچھ اور ذکر | ہزل و استہزا زیادہ حد سے ہوتا ہے برا
کہیے فکرِ شعر کا ہوتا ہے اب بھی اتفاق | آپ نے دیوان مرتب کیوں نہیں اب تک کیا
ہیں ہنسی کی اور باتیں کیجیے انصاف اگر | ہے غزل میں آپ کی دیوانِ حافظ کا مزا
عرض کی شاعر نے حضرت کا ہے یہ حسنِ ظن | ورنہ میں کیا اور مرا مجموعۂ اشعار کیا
قبلہ اب وہ دن گئے جو شاعروں کی قدر تھی | شاعری اور نکتہ پردازی میں اب رکھا ہے کیا
شعر اگر کہیے تو روٹی جا کے کس گھر کھائیے | سیکڑوں پھرتے ہیں شاعر تنگ دست و بے نوا
اب تو یہ کہتا ہوں شعر و شاعری کو چھوڑ کر | وعظ میں شاگرد ہو جاؤں کسی استاد کا
اس گئے گذرے زمانہ میں بھی یہ فنِ شریف | کیمیا ہے کیمیا ہے کیمیا ہے کیمیا
آپ لوگوں کی تو اس میں ریس کرنی ہی محال | پر ہمیں بھی سیکھنے سے کچھ نہ کچھ آ جائے گا
روز اک سونے کی چڑیا گر نہ ہات آئی نہ آئے | ہم گنہگاروں کا پیٹ ایسا نہیں ہے کچھ بڑا
کی سخن پرداز نے واعظ سے جب یہ گفتگو | قہقہوں سے چار سو مجلس میں اک غل پڑ گیا
خواب کا سا وہ سماں جاتا رہا سب یک بیک | اور دی پہلو سے دل نے کان میں میرے صدا

ہزل ہو یا جد نصیحت لیجیے ہر بات سے
کہہ گئے ہیں اہلِ دل دع ما کدر خذ ما صفا

جشنِ جوبلی[۱]

(مرتبہ ۱۸۸۷ء)

ہے عید یہ کس جشن کی یارب کہ سراسر
ہے جوبلی ہی جوبلی ایک اک کی زباں پر

یہ عہد کہ گزری ہیں برس جس کو پچاس اب
ست جگ سے ہے یہ ہند کے حق میں کہیں بہتر

وہ دَورِ تعصب تھا یہ ہے دورۂ انصاف
وہ جنگ کا موجد تھا یہ ہے صلح کا رہبر

جمشید پہ جب آگ ہوئی سنگ سے ظاہر
ایراں میں کیا جشنِ سدہ اُس نے مقرر

اس عہدِ ہمایوں میں ہزار ایسے کرشمے
ظاہر ہوئے اس طرح کہ عقلیں ہوئیں ششدر

یہ جشن مبارک ہے بہت جشنِ سدہ سے
وہ آگ نکلنے کا یہ بجھنے کا ہے مظہر

اس دَورِ خجستہ میں وہ سب بجھ گئے شعلے
تھی جن کی جہاں سوز لپٹ آگ سے بڑھ کر

اس عہد نے وہ خون بھرے ہات کئے قطع
جو پھیرتے تھے بیٹیوں کے حلق پہ خنجر

بیٹوں کی طرح چاہتے ہیں بیٹیوں کو اب
جو لوگ روا رکھتے تھے خونریزیِ دختر

جب بیٹیوں نے زندگی اس طرح سے پائی
دی زندگی اک اور انھیں علم پڑھا کر

اس عہد نے کی آکے غلاموں کی حمایت
انساں کو نہ سمجھا کسی انساں سے کمتر

دی اُس نے مٹا ہند سے یوں رسم ستی کی
گویا وہ ستی ہو گئی خود عہدِ کہن پر

---

۱ یہ قصیدہ انجمن اسلامیہ [illegible] کے ایڈریس کے ساتھ انجمن کی طرف سے بحضور ملکۂ معظمہ قیصرِ ہند گزرانا گیا تھا ۱۲

نابود کیا اُس نے زمانہ سے ٹھگی کو
اک قہر تھا اللہ کا جو نوعِ بشر پر

اس عہد میں انساں ہی نہیں ظلم سے محفوظ
مظلوم نہ اب بیل نہ گھوڑا ہے نہ خچر

اے نازشِ برطانیہ اے فخرِ برنزک
اے ہند کے گلہ کی شباں ہند کی قیصر

سچ یہ ہے کہ فاتح کوئی تجھ سا نہیں گزرا
محمود نہ تیمور نہ دارا نہ سکندر

تسخیر فقط اگلوں نے عالم کو کیا تھا
اور تو نے کیا ہے دلِ عالم کو مسخر

بندا ہے فرایض میں مسلماں ہے نہ ہندو
معمور مساجد ہیں تو آباد ہیں مندر

بجتا ہے فقط چرچ میں اتوار کو گھنٹا
سنکھ اور اذاں گو بجتے ہیں روز برابر

گو منتِ قیصر سے ہے ہر قوم گراں بار
احساں مگر اسلام پہ اُس کے ہیں گراں تر

معلوم ہے جو موروں پہ اسپین میں گزری
جس وقت از بلا ہوئی وہاں صاحبِ افسر

حالت وہی اس ملک میں پہنچی تھی ہماری
گڑتا نہ اگر اُس کا نشاں ہند میں آکر

اب ہند میں کشمیر سے تا راس کماری
ہر قوم کے ہیں پیر و جواں متفق اس پر

امید نہیں ہند کے راحت طلبوں کو
راحت کی کسی سایہ میں جز سایۂ قیصر

گر برکتیں اس عہد کی سب کیجئے تحریر
کافی ہو نہ وقت اُس کے لئے اور نہ دفتر

ہے اب یہ دعا حق سے کہ آفاق میں جب تک ق
آزادی و انصاف حکومت کے ہیں جوہر

قیصر کے گھرانے پہ رہے سایۂ یزداں
اور ہند کی نسلوں پہ رہے سایۂ قیصر

پھوٹ اور ایکے کا مناظرہ

پھوٹ سے ایکے نے کی یہ گفتگو
میں ہوں جہاں کا چمن آرا کہ تو

میرا ہے یا تیرا مبارک قدم
مجھ سے ہی یا تجھ سے بقائے اُمم

اپنی ستائش نہیں زیبا، مگر
حق نہ جتاؤں تو ہے خوفِ ضرر

منزلِ ہستی کا ہوں میں رہنموں
کچھ نہ ہو اے پھوٹ اگر میں نہ ہوں

مجھ سے ہی اجسام کو ہے التیام
مجھ سے ہی اجرام میں ہے انتظام

میری بدولت ہے کھپا اور تنا
جال یہ سب ثابت و سیار کا

میرا اگر ہو نہ قدم درمیاں
زیر و زبر ہو ابھی نظمِ جہاں

دانوں کو دیتا ہوں میں خرمن بنا
قطروں سے دیتا ہوں میں دریا بہا

ڈھیلوں سے چنتا ہوں حصارِ متیں
ریشوں کو کر دیتا ہوں حبل المتین

میں ہوں اگر موروں کے درمیاں
اُن کا سلیماں کو کروں میہماں

مجھ سے ہی ہر قوم اعانت طلب
کرتے ہیں طاقت مری تسلیم سب

قوموں کی اقبال کی میں ہوں دلیل
میں نہیں جس قوم میں وہ ہے ذلیل

مجھ سے گھرانوں کی ہی چھاتی پہاڑ | میں نہیں جس گھر میں وہ گھر ہی اجاڑ
ملک ہیں آباد مری ذات سے | یُمن ہی اک میری کرامات سے
میں نے ہی جس قوم کو بخشا وقار | قوم وہی قوم ہے باقی کُمہار
بخت عدو مال ہی اُس قوم کا | بندہ خود اقبال ہی اُس قوم کا
نرغہ میں گھر جائے گر اک اُن کا فرد | لاکھ پہ بھاری ہی بوقتِ نبرد
ڈال نہیں سکتا کوئی اُس پہ ہاتھ | سو جھتی ہی قوم تمام اُس کے ساتھ
میرا ہی جس ملک میں جاری عمل | واں کبھی آنے نہیں پاتا خلل
میری تصرف میں ہی جو سرزمیں | وہاں کوئی بیکس، کوئی تنہا نہیں
ایک ہی زخمی تو ہیں سب دلفگار | ایک ہی مظلوم تو حامی ہزار
ایک کو گر دیکھتے ہیں مضطرب | پیٹ کو پکڑے ہوئے پھرتے ہیں سب
آگ اگر گھر میں لگی ایک کے | قوم میں گھر گھر دھوئیں اُٹھنے لگے
کُل کی مصیبت میں ہیں کُل مبتلا | ایک پر آتی نہیں کوئی بلا
ضعف دباتا نہیں اُن کو کبھی | رکھتے ہیں کمزور بھی وہاں دل قوی
غم نہیں افلاس کا مفلس کو وہاں | ایک کا افلاس ہی سب پر گراں
ایک کی خواری سی ہیں نادم ہزار | ایک ہی رسوا تو ہیں سب شرمسار

ایک کی عزت ہو تو نازاں ہیں سب
ایک ہو گر شاہ تو سلطاں ہیں سب

سنتی ہے اے خانہ برانداز پھوٹ　　سچ ہے یہ سب میرا بیاں یا کہ جھوٹ

مجھ میں نہیں عیب کچھ اس کے سوا　　ساتھ مرے تیرا ہے کھٹکا لگا

ذات ہے میری مہِ کامل مگر　　دیتی ہے گہنا مجھے تو آن کر

ہوتی اگر تیری نہ یہاں ہست و بود　　میرا مبارک تھا جہاں میں وجود

چشمۂ رحمت ہے جماعت ولے　　کرتی ہے تو آکے مکدّر اُسے

چار جو مل بیٹھتے ہیں یہاں کبھی　　سب نظرِ بد سے ہیں لرزاں تری

صلح کا رہتی ہے بُرا تکتی تو　　دو کو بہم دیکھ نہیں سکتی تو

قطع و برش تیری جبلی ہے خو　　گوشت جُدا کرتی ہے ناخن سے تو

بھائیوں کو کرتی ہے اغیار تو　　یاروں کو کر دیتی ہے بے یار تو

ڈالتی ہے اُن میں نزاع و خلاف　　دو کے نہیں چھوڑتی دل اُن میں صاف

قوم میں جو دیکھئے چھوٹا بڑا　　چُنتا ہے ڈیڑھ اینٹ کی مسجد جُدا

مضحکہ خود اپنا بناتے ہیں وہ　　اپنے پہ عالم کو ہنساتے ہیں وہ

سُوجھتی ملت کی نہیں کوئی بات　　یہ جو کہے دن تو وہ کہتا ہے رات

رہتا ہے ایک ایک کے درپے نہاں　　جس سے جسے دیکھئے ہے بدگماں

زید کا ہے عمرو سے ظاہر ملاپ　　دل میں بھرا دونوں کے لیکن ہے پاپ

ایک یہ کہتا ہے کہ میری چلے　　دوسرا خواہاں کہ نہ اس کو ملے

دیکھئے جس کو وہ ہے اس تاک میں　　یاروں کے منصب ملیں خاک میں

قوم کی قوم آتی ہے بیکس نظر جاتی ہیں جھاڑو کی سی سینکیں بکھر
عیب ہیں جو تجھ میں وہ مجھ میں نہیں خوبیاں جو مجھ میں ہیں تجھ میں نہیں

پھوٹ نے ایک سے سُنا جب یہ لاف بولی کہ تقصیر ہو میری معاف
نام ہے بدنام مقرر مرا ذکر بُرائی سے ہے گھر گھر مرا
پر کوئی انصاف سے دیکھے اگر میں ہوں وہی جو کہ تو ہے سر بسر
عیب ہیں کچھ مجھ میں تو تجھ میں بھی ہیں خوبیاں تجھ میں بھی ہیں مجھ میں بھی ہیں
خلق کے ہم دونوں مددگار ہیں دوست کا تو یار ہے دشمن کی میں
اپنوں سے تو غیر کو کرتا ہے زیر میں ہوں کہ دل غیروں کے رکھتی ہوں شیر
میں کروں تائید نہ تیری اگر ہو کوئی خوبی نہ تری جلوہ گر
کام رہیں سارے اُدھورے ترے ہوں کبھی منصوبے نہ پورے ترے
میری ہی بل چلتی ہے گاڑی تری مجھ سے ہی سرسبز ہے باڑی تری
میں جو نہ ایراں کو دلاتی شکست رومیوں کے حوصلے ہو جاتے پست
ڈالتی بغداد میں گر میں نہ جال ق کرتی نہ عباسیوں کو پائمال
کام نہ آتا کوئی تیرا ہنر فتح نہ پاتی کبھی فوج تتر
ہوتی بخارا میں نہ گر میں مخل ق کرتی نہ سامانیوں کو مضمحل
غزنوی اس طرح نہ پاتے فروغ ٹھہرتے دعوے ترے سارے دروغ

ہند میں گل نہ کھلاتی اگر ق | رنگ نہ یہاں اپنا جماتی اگر
غوریوں کو فتح دلاتا نہ تو | خلجیوں کے کام کچھ آتا نہ تو
لودیوں کے بڑھتے نہ آگے قدم | مغلوں کا یہاں آکے نہ گڑتا علم
ہند میں کرتی نہ اگر ہیں وطن | پھیلتے مغرب کے نہ یہاں علم و فن

یہ تو لیا تو نے سن اے اتفاق | اب کہوں کچھ اور جو گزرے نہ شاق
مجھ سی سوا جھ میں ہے سچ اس کو جان | جلوہ گر انصاف الٰہی کی شان
تو جو کسی قوم کا بنتا ہے یار | چاہتا ہے بگڑے نہ وہ زینہار
اُس کو نہ پیش آئے کبھی روزِ بد | بات رہے اُس کی ہمیشہ تا ابد
حصّہ میں اُس کے رہے عز و شرف | رشک سے قومیں تکیں اس کی طرف
آئے نہ اقبال کو اُس کے زوال | دوست رہیں شاد و عدو پائمال
تیرا تو یہ خاصہ ٹھہرا مگر | عادتِ حق کی نہیں تجھکو خبر
آج کسی کو جو چڑھاتا ہے وہ | دوسرے دن اس کو گراتا ہے وہ
جز رہے دریا میں پس از مد ضرور | عزت و دولت کی ہے اک حد ضرور
ختم جب اقبال کا ہوتا ہے دور | ساری بگڑ جاتے ہیں قوموں کے طور
خصلتیں اُن کی نہیں رہتیں درست | فرض ادا کرنے میں رہتی ہیں سست
بھول کے بھی وہ نہیں لاتے بجا | بندوں کے حق اور حقوقِ خدا

ملتی ہے ہر چند کہ مہلت انھیں ۔ پر کبھی ہوتی نہیں جرأت انھیں

جب نہیں غفلت کا اترتا خمار ۔ ہوش میں آتے نہیں وہ زینہار

کرتے سزا سے نہیں پھر درگزر ۔ کارگزاران قضا و قدر

لیتی ہیں چھین ان سے حکومت کبھی ۔ کرتی ہیں سلب ان کی لیاقت کبھی

علم کبھی دیتے ہیں ان کا مٹا ۔ دیتے ہیں دولت کبھی ان کی لٹا

اس پہ بھی ہوتی نہیں جب ہوشیار ۔ بھیجتے ہیں قحط و وبا بار بار

کوڑے پہ کھا کھا کے گئے گر سنبھل ۔ سر سے بلا قوم کے جاتی ہے ٹل

ورنہ سب مجھے کرتے ہیں مامور واں ۔ تاکہ کروں قدرتِ باری عیاں

الحذر اس وقت سے ای اتفاق ۔ آن کے جب کہتی ہوں میں الفراق

آ گئے اس قوم کے بس دن بُرے ۔ حق نے کیا جس پہ مسلط مجھے

کوہ کو کرتی ہوں پرِ کاہ میں ۔ شیروں کو کر دیتی ہوں روباہ میں

قدر و بہا قوم کی لیتی ہوں چھین ۔ کوڑی کے کر دیتی ہوں میں تین تین

کرتے نہیں غیر انھیں آ کے پست ۔ پاتے ہیں وہ اپنے ہی ہاتھوں شکست

دیتے ہیں دھیان ان کا بد اندیش چھوڑ ۔ آپ ہی مر جاتے ہیں سر پھوڑ پھوڑ

آگ پہ گویا کہ ہوں بارود میں ۔ قوموں کو کر دیتی ہوں نابود میں

ہو گیا جس ملک میں یہاں میرا راج ۔ قحط و وبا کی نہیں واں احتیاج

قحط و وبا کرتے ہیں جانیں تلف ۔ کھوتی ہوں میں قوم کا عز و شرف

دیتے ہیں وہ قوم کی گھٹتی گھٹا　　کرتی ہوں میں قوم کو بالکل فنا
حکم ہی ہے مجھے اے اتفاق　　ڈالتی ہوں اس لئے اُن میں نفاق
ہے مری تحقیر خلافِ ادب　　میں ہوں فرستادۂ درگاہِ رب

سلسلہ تقریر کا جب بڑھ گیا　　پھوٹ کو یہ غیب سے آئی صدا
ڈال دیئے تو نے دلوں میں شگاف　　کب تلک ای پھوٹ یہ لاف و گزاف
حد سے سوا بڑھ گئی تو۔ شرم شرم　　جھوٹ میں اور اتنا غلو۔ شرم شرم
چیز حقیقت میں کوئی تو نہیں　　تجھ میں حقیقت کی کہیں بو نہیں
چیز وہی چیز حقیقت میں ہے　　تعبیہ جو خلق کی فطرت میں ہے
فطرتِ انساں کے ہے جو کچھ خلاف　　ہیچ ہے وہ اس میں نہیں اختلاف
طبع بشر میں ہے ودیعت وفاق　　وہاں نہیں مطبوع بجز اتفاق
روم ہوں یا ترک۔ عجم یا عرب　　مہر و محبت پہ ہیں مجبول سب
ایک کو ہے ایک کی جانب جھکاؤ　　ایک سے ہے ایک کے دل کو لگاؤ
ہوتی کچھ اے پھوٹ اگر تیری اصل　　متحد انسان کی ہوتی نہ نسل
تو وہ ہے سرچشمہ نہیں جس میں آب　　تیری نمایش ہے برنگِ سراب
ایسے بہت کرتی ہیں جلوے عیاں　　آدمِ خاکی کی غلط فہمیاں
جیسے کہ بے اصل خبر گاہ گاہ　　ملک کرا دیتی ہے دم میں تباہ

تجھ سے بھی پڑ جاتے ہیں اکثر بگاڑ　　رائی کے ہو جاتے ہیں بن کر پہاڑ

ہے یہ نمایش تری اے خود نما　　شعبدہ اک وہم غلط کار کا

سیکڑوں گھر جہل نے گھالے ہیں یہاں　　پردے بہت عقلوں پہ ڈالے ہیں یہاں

جہل کا چھایا ہے اندھیرا جہاں　　ق　　ملک کو ظلمت نے ہے گھیرا جہاں

ٹھیک نہیں سوجھتی واں کوئی چیز　　نفع و ضرر میں نہیں ہوتی تمیز

قوم کی تعریف نہیں جانتے　　اپنی حقیقت نہیں پہچانتے

کر نہیں سکتے وہ حقایق میں غور　　کہتے ہیں جز او رہی ٹہنی ہے اور

جانتے دریا کو ہیں اک شے جدا　　قطروں سے کہتے ہیں کہ وہ ہے جدا

پر یہ عزیزوں کو نہیں سوجھتا　　ہے انھیں قطروں سے وہ دریا بنا

بس یہی انساں کی غلط کاریاں　　دیتی ہیں پہنچا اسے اکثر زیاں

ہوتا ہے بیٹھا ہوا جس شاخ پر　　توڑنے لگتا ہے اسی پر تبر

چلنے کو جس راہ میں ہوتا ہے وہ　　کانٹے اسی راہ میں بوتا ہے وہ

پینی کا جو اس کے ہے جاں بخش جام　　زہر ملاتا ہے اسی میں وہ خام

حق کبھی ہونے نہیں دیتیں عیاں　　جہل کی چھائی ہوئی تاریکیاں

ہوتی ہے پر ختم شب تار جب　　ق　　پھیلتے ہیں علم کے انوار جب

شے نہیں رہتی کوئی پیش نظر　　نور حقایق کے سوا جلوہ گر

سچ نظر آتا ہے سچ اور جھوٹ جھوٹ　　تفرقہ رہتا ہے نہ رہتی ہے پھوٹ

وہمِ دوئی دل میں سماتا نہیں اپنے سوا کچھ نظر آتا نہیں
بھائیوں پر پہلے کئے تھے جو وار اپنا بدن پاتے ہیں اُن سے فگار
اُن پہ چلائے تھے جو تیر و سناں اپنے بدن پر ہیں اب اُن کے نشاں
اُن کے سمجھ کر جو بگاڑے تھے کام کام نکلتے ہیں وہ اپنے تمام

علم ہو جس قوم کا یکساں راہبر برکتیں اللہ کی اُس قوم پر
جانتے ہیں وہ برکاتِ وفاق اُن پہ ہیں روشن خطراتِ نفاق
فرق نہیں اُن کے زن و مرد میں قوم کی طاقت ہی ہر اک فرد میں
رُتبہ یہ ایکے نے ہی اُن کو دیا لاکھوں کروڑوں پہ ہیں فرماں روا
زور سے ہیں اُن کی زبردست زیر لومڑیاں سامنے اُن کے ہیں شیر

اے کہ تیری ذات ہی عالم پناہ اسود و احمر کا ہے تو بادشاہ
جوڑنا ٹوٹوں کا ترے ہاتھ ہی تیری صفت جامعِ اشتات ہی
منبعِ ادبار ہی جب تک نفاق مثمرِ اقبال ہے جب تک وفاق
تلخ ہی جب تک ثمرِ اختلاف ہے تر و تازہ شجرِ ائتلاف
بھیجیو نکبت نہ کسی قوم پر رکھیو ہر ایک قوم کو شیر و شکر
ٹوٹے نہ آفاق میں سنگت کوئی ہو نہ پراگندہ جماعت کوئی

بند سے ہو بند نہ کوئی جُدا   بکھرے نہ شیرازہ کسی قوم کا

پھوٹ کسی قوم میں پڑ جائے جب   ق   ایک سے ایک اُن میں بچھڑ جائے جب

رکھنی ہی باقی تجھے گر اُن کی نسل   تفرقہ کر اُن کا مُبدّل بہ وصل

ورنہ اگر ہو نہ ملاپ اُن کو راس   ق   اور نہ ہو سر جوڑنے کی اُن کے آس

وہ جیئے تو کیا جیئے بے آبرو   جلد اُٹھا لے انھیں دُنیا سے تو

پھوٹ ہو جس قوم میں وہ قوم کیا
حق میں ہے اُس قوم کے بہتر فنا

مسلمانوں کی تعلیم

(مرتبہ ۱۸۸۹ء)

یہ ترکیب بند محمڈن ایجوکیشنل کانگریس کے چوتھے اجلاس میں بمقام علی گڑھ پڑھا گیا تھا

زمانہ دیر سے چلا رہا ہے اے مسلمانوں — کہ ہے گردش میں میری غیب کی آواز پہچانو

سُنے ہوں گر نہ معنی لا تسبوا الدھر[۱] کے تم نے — تو اب سُن لو کہ ہوں میں شانِ رحمانی مجھے مانو

وہ ناصح اور ہوں گے جن کا کہنا ٹل بھی جاتا ہے — اگر میری نہ مانو گے تو پچھتاؤ گے نادانو

مری بازی کا منصوبہ گیا کب کا پلٹ یارو — خبر تم کو بھی ہے کچھ؟ اے مری چالوں سے بیگانو

گئے وہ دن کہ نفرت کرتے تھے دیندار دنیا سے — بقائے دین و ملت منحصر دنیا پہ اب جانو

۱؎ یہ ایک حدیث کی طرف اشارہ ہے جس کے الفاظ یہ ہیں "لا تسبوا الدھر فان الدھر هو الله" یعنی زمانہ کو بُرا نہ کہو کیونکہ وہ بھی ایک شان ہے شیون الٰہی میں سے اور زمانہ کے جو واقعات تم کو ناگوار گزرتے ہیں وہ درحقیقت خدا کے کام ہیں ۱۲

گئے وہ دن کہ ثروت باپ دادا چھوڑ جاتے تھے | بس اب ثروت ہے مزدوروں کا حصّہ اے تن آسانو
گئے وہ دن کہ لاکھوں بے ہنر یہاں عیش کرتے تھے | ہوا ہے بے ہنر جینا بھی اب مشکل میری جانو
مٹے ہو جس ہنر اور فن پہ تم وہ مٹنے والے ہیں | یہ سودا کب تک اے شمع سحر گاہی کے پروانو
پھر اب سمجھے ہو جس گھر کو نہیں دیار وہاں کوئی | کہاں بیٹھے ہو تم اے خانۂ ویراں کے دربانو

نصیحت میری مانو اب بھی اپنی ہٹ سے باز آؤ
پھری جس وقت دیکھو میری چتون تم بھی پھر جاؤ

گیا دورہ حکومت کا بس اب حکمت کی ہے باری | جہاں میں چار سو علم و عمل کی ہے عملداری
جنھیں دنیا میں رہنا ہے رہے معلوم یہ اُن کو | کہ ہیں اب جہل و نادانی کے معنی ذلت و خواری
ضرورت علم و دانش کی ہے ہر فن اور صناعت میں | نہ چل سکتی ہے اب بے علم نجاری نہ معماری
جہاں علم تجارت میں نہ ماہر ہوں گے سوداگر | تجارت کی نہ ہوگی تا قیامت گرم بازاری
نہ آئیگی پسند اُن نوکروں کی خدمت و طاعت | جنھیں پائیں گے آقا زیور تعلیم سے عاری
اگر چاہیں گے کرنی آدمی گھوڑوں کی سائیسی | تو دینا ہوگا اُن کو امتحان علم بیطاری
نہ مستغنی بکاول علم سے ہے اب نہ باورچی | ہوا ہے مدرسوں سے مطبخوں تک فلسفہ جاری
یقیں جانو کہ آئندہ ملے گی درس گاہوں میں | گر آٹا پیسنے کو چاہیئے گی اک پسنہاری
کوئی پیشہ نہیں اب معتبر بے تربیت ہرگز | نہ فصادی نہ جراحی نہ کحالی نہ عطاری

جہاں تک دیکھئے تعلیم کی فرماں روائی ہے
جو سچ پوچھو تو نیچے علم ہے اوپر خدائی ہے

گئے وہ دن کہ تھا علم و ہنر انساں کا اک زیور
ہوئی ہی زندگی خود منحصر اب علم و دانش پر

کوئی بے علم روٹی سیر ہو کر کھا نہیں سکتا
نہ زرگر اور نہ آہن گر نہ بازی گر نہ سوداگر

مہندس چاہیئے مزدور اب اور راج قلید میں
بس اب دنیا میں بے علموں کا ہی اللہ ہی یارو

نہ پہنیگا کوئی جاہل کی شاید سی ہوئی جوتی
بس اب موچی فلاطوں سی ہونگے کچھ ہوں تو ہوں کمتر

جہانداری میں آج ایک ایک حامل ہی جم و کسریٰ
جہانگیری میں ہی اک اک سپاہی طغرل و سنجر

گئے وہ دن کہ تھے محدود کام انساں کی سارے
برابر تھا بئے کا گھونسلا اور آدمی کا گھر

یہ دورہ ہی بنی آدم کی روزافزوں ترقی کا
جو آج اک کام ہی اعلیٰ تو کل ہی اُس سی اعلیٰ تر

کوئی دن میں خسارہ سب سے بڑھکر اس کو سمجھیں گے
کہ دو دن آدمی ٹھہرا رہی یہاں ایک حالت پر

نہ تھا غیر از ترقی فرق کچھ انسان و حیواں میں
دیا ہی امتیاز انساں کو یہ تعلیم نے آکر

زمانہ نام ہی میرا تو میں سب کو دکھا دوں گا
کہ جو تعلیم سے بھاگیں گے نام اُن کا مٹا دوں گا

ہماری شکر سے ای قوم احساں اس کا بالا ہی
کہ جس نے قوم کی تعلیم کا یہاں ڈول ڈالا ہی

خدا کی برکت اور رحمت ہو نازل تجھ پہ ای سید
کہ تو نے بھائیوں کا ڈوبتا بیڑا سنبھالا ہی

فدائی قوم کی تجھ سے ہی گزری ہوں گے دنیا میں
کہ دلسوزی کا جن کی آج قوموں میں اجالا ہی

بھلائی کا تری احسان مانیں یا نہ مانیں ہم
بھلائی کرنے والوں کا ہمیشہ بول بالا ہی

کریں کیا گر نہ ابنائے زماں ہوں بدگماں تجھ سے
کہ دردِ دل کی کیفیت سمجھ سے اُن کی بالا ہی

نمونہ کوئی ہمدردی کا دیکھا تھا نہ یاروں نے
تری کاموں نے اُن کو اس لیے حیرت میں ڈالا ہی

کیا ہی کام جو تو نے نہ ڈر انجام سے اُس کے	کہ نیکی کا نشاں قایم خدا خود رکھنے والا ہی
کیا گو تو نے سب کچھ، پر بہت کچھ ہی ابھی کرنا	ہی آخر قوم کی تعلیم یا مُنہ کا نوالا ہی
جسے احباب اِک قصرِ رفیع الشان سمجھے ہیں	نہ ہو تو اُس کا پشتیباں تو اک مکڑی کا جالا ہی

عزیزوں کو خدا وہ نامبارک دن نہ دکھلائے
کہ سایہ تیری ہمدردی کا اُن کے سر سے اُٹھ جائے

تری احسان رہ رہ کر سدا یاد آئیں گے اُن کو	کریں گے ذکر ہر مجلس میں اور دُہرائیں گے اُن کو
تری کوشش پہ تیری زندگی میں جو کہ ہنستے ہیں	نتایج اُس کے تیرے بعد خوں رلوائیں گے اُن کو
تری رایوں کو جو منسوب کرتے ہیں ضلالت سے	زمانے کے حوائج جلد تر شرمائیں گے اُن کو
تری کاموں کو خود کامی پہ جو محمول کرتے ہیں	دل اُن کے کوئی دن جاتا ہی خود جھٹلائیں گے اُن کو
اُنھوں نے خود غرض شکلیں کبھی دیکھی نہیں شاید	وہ جب آئینہ دیکھیں گے تو ہم دکھلائیں گے اُن کو
بہت مشکل ہی جانی سردمہری قوم کے دل سے	مگر تیرے ہی دل کے داغ کچھ شرمائیں گے اُن کو
اگر ہیں بھی کہیں کچھ دبی چنگاریاں باقی	لگائیں گی وہ گھر میں آگ جب سلگائیں گے اُن کو
بہت ہیں مدعی ہمدردیِ اسلام کے لیکن	ٹٹولیں گے اُنھیں جب یار خالی پائیں گے اُن کو
کبھی تسبیح کو اُن کی ملی فرصت وظائف سے	تو تیری خدمتیں اسلام کی گنوائیں گے اُن کو

ملا گو قوم سے اب تک نہیں اصلا صلہ تجھ کو
نہیں اُمید پر تجھ سے کہ ہو اس کا گلا تجھ کو

جنھوں نے قوم کی اصلاح کا بیڑا اُٹھایا ہی	اُنھوں نے پھل سدا محنت کا کم دنیا میں پایا ہی

یہ تیری خوش نصیبی ہی کہ ثمرہ تیری کوشش کا
خدا نے زندگانی میں تری تجھ کو دکھایا ہی

بہت جھکڑ چلے گو اور آئیں آندھیاں لیکن
رہا گلزار ہو کر باغ جو تو نے لگایا ہی

دیا ہی ساتھ بھی تیرا ہزاروں نی دل و جاں سے
اگر دو چار نے کچھ کہہ کے دل تیرا دکھایا ہی

اِدھر پورب سے پچھم تک اُدھر اُتّر سی دکھن تک
مددگار اپنا جس گوشہ میں ڈھونڈا تو نی پایا ہی

اودھ سی سندھ تک کشمیر سی راس کماری تک
دلوں میں تو نے سکّہ شہر شہر اپنا بٹھایا ہی

دکن میں تیری یاور ہیں دو آیہ میں تری ساتھی
ترا مدّاح ملکوں میں ہر اِک اپنا پرایا ہی

خصوصاً وہ مبارک ملک جس نی ہند میں اوّل
رکاب اسلام کی تھامی اور اُس پر سر جھکایا ہی

خدا کی برکتیں پنجاب اور پنجاب والوں پر
جنھوں نی ہر سفر میں تجھ کو آنکھوں پر بٹھایا ہی

جنھوں نی قوم کا ہمدرد دل سے تجھکو مانا ہی
تری نصرت میں اخلاصِ مُسلمانی دکھایا ہی

نہ ہو افسردہ دل اور قوم پر فیض اپنا رکھ جاری
کہ اِک ہمت سے تیری بندھ رہی ہیں ہمتیں ساری

ہوئی ہیں سرد دل لوگوں کی تو ڈھارس بندھاتا رہ
اُمیدیں اُن کی استقلال سی اپنے بڑھاتا رہ

ہوا پُروا ہو یا پچھوا نہ کر تو اس کی کچھ پروا
لگایا ہی چمن تو نے تو پودا اُس میں لگاتا رہ

اُمیدیں ہیں بہت وابستہ تیری زندگانی سی
دُعائیں قوم کی لے لے کے عمر اپنی بڑھاتا رہ

ابھی سیراب کم ہیں اور بہت ہیں تشنہ لب باقی
سبیل آخر لگائی ہے تو پیاسوں کو پلاتا رہ

نہیں تعلیم بے علموں کی کم احیائے موتیٰ سے
جہاں تک تجھ میں دم باقی ہی مُردوں کو جلاتا رہ

زبانیں تو نی گر اپنے پہ کھلوائی ہیں حق کہکر
تو خاموشی سے اپنی نکتہ چینیوں کو تھکاتا رہ

فرد ہوتی نہیں آتش ہی جب آتش بھڑکتی ہی — ہر اک شعلہ کو آبِ بُردباری سے بجھاتا رہ

کیا ہی زندہ قوموں کو سدا قوموں کی کشتوں نے — مُہم گر فتح کرنی ہی تو چوٹیں دل پہ کھاتا رہ

شدائد میں تحمل خاص میراث انبیا کی ہی — جو تو آلِ محمدؐ ہی تو سب صدمے اُٹھاتا رہ

کوئی دن اور اس دار المحن میں رنج سہنا ہی

پھر اس کے بعد تجھ کو زندۂ جاوید رہنا ہی

عزیزو حق کی رحمت ہی یہ پیرِ ناتواں ہم میں — پھر ایسا پیر ہی ہم میں نہ کوئی نوجواں ہم میں

ہزاروں ہم میں ہوں گی بیچلر اور ماسٹر پیدا — مگر اے قوم پھر یہ صورتیں پیدا کہاں ہم میں

جو ہم میں قوم کا ہمدرد یہ قدرت خدا کی ہی — نہیں رشتہ کوئی مدت سے باقی درمیاں ہم میں

ہماری تفرقوں نے کر دیئے تحلیل سب اجزا — نہ پاؤ گی کہیں ترکیبِ قومی کا نشاں ہم میں

ابھی اُٹھکر فلاحِ قوم پر کوئی کمر باندھی — ہزاروں اس سی ہو جائیں گی پیدا بدگماں ہم میں

ابھی سُن لیں کسی قومی جماعت میں شکر رنجی — ہزاروں ہوں گی یہ بدفال سُن کر شادماں ہم میں

بن آئی قوم کی خدمت تو کیوں کر ہم سی بن آئی — نہ دُور اندیشیاں ہم میں نہ خیر اندیشیاں ہم میں

اگر بوجھ اس پہیلی کی نہ سیدؔ ہم کو بتلاتا — تو اسلامی اخوت تھی فقط اک چیستاں ہم میں

نہ کی سید کے منصوبوں کی گر تائید یاروں نے — تو پھر ہرگز سنبھلنے کی نہیں تاب و تواں ہم میں

بہت مشکل سے ہاتھ آیا ہی منزل کا نشاں یارو

پہنچنے دو سلامت تا بمنزل کارواں یارو

رہو جیسے رہے ہو قوم کے غمخوار یار اب تک — کرو دھندلا نہ اس رستہ کو جو ہی بے غبار اب تک

جماعت کو تمہاری دیکھتے ہیں لوگ حیرت سے
تمہارے دم سے ہے کچھ قوم کا باقی وقار اب تک

تمہاری کوشش اور ہمت کا چرچا ہی زمانہ میں
تمہاری خدمتوں کی قوم ہی منت گزار اب تک

جو کام انجام کرنا ہی تو سیّد کے رہو حامی
کہ قومی کامیابی کا اسی پر ہے مدار اب تک

وگرنہ دوستو سُن لو کہ ہی آپس کی اُن بَن کا
وہی انجام جو ہوتا رہا ہے آشکار اب تک

پڑے ہیں جابجا بکھرے ہوئے اطراف عالم میں
کھنڈر لاکھوں ہماری تفرقوں کی یادگار اب تک

ہزاروں باغ ویراں ہو گئے آپس کے جھگڑوں میں
پلٹ کر پھر نہیں آئی جہاں فصلِ بہار اب تک

سفینے غرق لاکھوں کر دیئے بادِ مخالف نے
زمانہ کو نہیں معلوم خود جن کا شمار اب تک

نہ سمجھو یہ کہ فارغ ہو گئے ہم خاک میں مل کر
ہماری گھات میں ہی انقلابِ روزگار اب تک

نظر آتا نہیں یہاں حملۂ دوراں سے بچنے کو
سوا اک درس گاہِ قوم کے کوئی حصار اب تک

کرو پورا حصارِ قوم کو سر جوڑ کر یارو
ہٹاؤ حملۂ دوراں کو سب جی توڑ کر یارو

یہ دار العلم سدِّ راہ آسیبِ زماں ہوگا
اسی دار الشفا میں بخت پیر اپنا جواں ہوگا

نہیں صورت اُبھرنے کی ہماری کوئی پستی سے
اگر ہوگا اسی گھر سے بلند اپنا نشاں ہوگا

کمی نے کر دیا ہی علم کی ہم کو سبک سب سے
اسی پاسنگ سے ہوگا تو یہ پلّہ گراں ہوگا

یہ بیت العلم روز افزوں ترقی کا ہی سرچشمہ
اسی چشمہ سے دیکھو گے کہ اک دریا رواں ہوگا

اگر اس آگئی آب و ہوا اس کھیت کی ہم کو
تو جو اُٹھے گا پودا اس زمیں سے آسماں ہوگا

یقیں ہی ٹہنیاں پھیلیں گی طوبیٰ کی سوا اس کی
ہمارے واسطے دُنیا میں یہ باغِ جناں ہوگا

اگر اسلام میں باقی ہے خصلت حق شناسی کی — تو اک اک نونہال اس باغ کا خود باغباں ہوگا

جو حق نے عالمِ اسباب دنیا کو بنایا ہے — تو جو نکلیگا یہاں سے کامیاب و کامراں ہوگا

بہت مدت سے ہے قحط الرجال اے قوم اُمت میں — اسی کھیتی سے اُس میں جنبشِ دم کا سماں ہوگا

بنا اسلام کی کہتے ہیں یہ تعلیم ڈھا دیگی — نہ ڈھینے دیگا حق اسلام پر گر مہرباں ہوگا

کسوٹی ہے یہ دار العلم اسلامی اخوت کی — ہم اُس سے بدگماں ہیں گو جو اس سے بدگماں ہوگا

کبھی یہاں آکے کچھ دیکھا بھی ہے اے نکتہ چیں یارو
بُرا کہنا گھروں میں بیٹھکر اچھا نہیں یارو

اگر رکھتے ہیں دل پہلو میں آکر یہ چمن دیکھیں — ریاضِ قوم کا فصلِ خزاں میں بانکپن دیکھیں

وطن کو جو سمجھتے ہیں کہ ہے ترجیح غربت پر — وہ آکر شامِ غربت بہتر از صبحِ وطن دیکھیں

ہوئے ہیں جمع یہاں جو نونہال اطراف سے آکر — ہم سب کو شریکِ شادی و رنج و محن دیکھیں

محبت اُن میں جب دیکھیں تو سمجھیں بھائی ماں جائے — وطن پوچھیں تو ہند و سندھ و پنجاب و دکن دیکھیں

اگر غیبت میں پوچھیں ایک کا حال ایک سے آکر — تو ہر طفل و جواں میں حفظِ عیب و حسنِ ظن دیکھیں

تکلف سے بری ایک اک کو دیکھیں اور بناوٹ سے — سخن میں راستی دیکھیں بیاں میں سادہ پن دیکھیں

تواضع منعموں کی دیکھیں اور غیرت غریبوں کی — ادب بچوں کا دیکھیں نوجوانوں کا چلن دیکھیں

تامل رائے میں دیکھیں تو دیکھیں کام میں پھرتی — لڑائی فیلڈ میں دیکھیں کلب میں بانکپن دیکھیں

اطاعت سلطنت کی، احترام اہلِ حکومت کا — وفاداری کی گردن میں بندھی سب کے رسن دیکھیں

نہ بو اُن میں غلامی کی نہ بیباکی کی خو اُن میں — ادب اور معتدل آزادگی اُن کا چلن دیکھیں

زباں سے قیصرِ ہندوستاں کا نام لے کوئی — تو اک دریا محبت کا دلوں میں موجزن دیکھیں

سلف پر فخر دیکھیں اور تاسف اپنی حالت پہ — لگن اسلام کی اور قوم کی دل میں چبھن دیکھیں

نمازوں کی تقید دیکھیں اور روزوں کی پابندی

اجازت نیک کرداری کی اور ہر کام کی بندی

کلب میں آ کے گر احباب رنگِ انجمن دیکھیں — تو زیبِ کرسیٔ صدر اک مجسّم یونین دیکھیں

لکھی ہوں جنھوں نے شفقت و طاعت کی تصویریں — وہ بکِ اور اس کے شاگردوں کو باہم ہم سخن دیکھیں

تاسف کرتے ہیں جو ہند کی نا اتفاقی پہ — کلب میں ہندوؤں کے آئیں وہ اور یونین دیکھیں

اگر باور نہ ہو اخلاص سُنّی اور شیعی کا — بہم شیر و شکر یہاں چار یار و پنجتن دیکھیں

نہ دیکھا ہو جنھوں نے پیار ہندو اور مسلماں میں — وہ آ کر مسلم و ہندو کو یک جان و دو تن دیکھیں

مسیحی پوششیں دیکھیں مسلمانوں کے بچّوں کی — مسیحی کو مسلمانی قبا زیبِ بدن دیکھیں

مجسّم دیکھنی ہو شکلِ مہرِ مادری جن کو — وہ بچّوں سے سلوکِ آرنلڈ و ماریسن دیکھیں

اگر ہو دیکھنی تقریر میں تصویر معنی کی — تو والس کا بوقتِ درس اندازِ سخن دیکھیں

اگر اسکول میں چاہیں کہ دیکھیں ہوسٹ کو آ کر — فرائض میں تمام اوقات اس کے مرتہن دیکھیں

دمِ تدریس دیکھیں چکرورتی کو اگر برسوں — نہ پیشانی پہ بل دیکھیں نہ ابرو میں شکن دیکھیں

ادب اور مشرقی تاریخ کا ہو دیکھنا مخزن — تو شبلی سا وحیدِ عصر و یکتائے زمن دیکھیں

اگر بو جعفرِ طوسی کو زندہ دیکھنا چاہیں — تو عباس ابن جعفر سا محیطِ علم و فن دیکھیں

سخن کوتاہ دار العلم پہ ہوں قوم کی نازاں — ۳

۳ جو آ کر اس کا ایک اک دُرِّ مکنوں من و عن دیکھیں

پھر ان کی بعد گر دیکھیں مُربّی اپنے بچوں کا — تو اک بچوں سی بڑھکر زندہ دل پیرِ کہن دیکھیں

خوشی میں رنج میں صحت میں بیماری میں دُکھ سکھ میں — اسی جب آ کے دیکھیں قوم کی دُھن میں مگن دیکھیں

رہیں چپ کس طرح ہم باغباں کی مدح و تحسیں سے — جب ایسا حیرت افزا آنکھ سے اپنی چمن دیکھیں

نہ سمجھیں یہ کہ ہی اُس کو ہماری مدح کی پروا — اگر سیّد کا استحقاق اہلِ انجمن دیکھیں

محبِّ قوم سُنتا ہی در و دیوار سے تحسیں — جنھیں باور نہ آئی وہ محبِّ قوم بن دیکھیں

ادا سیّد کا حق تو ہم سی ہو سکتا ہی کیا حالی
مگر ہاں ہم کو اپنا فرض کرنا تھا ادا حالی

جوانمردی کا کام

(مرتبہ ۱۸۷۲ء)

یہ حکایت ایک انگریزی نثر سے لی گئی ہے اور اس کو اردو میں باضافہ بعض خیالات نظم کیا گیا ہے

تھا کسی ملک میں اک دولت مند — حق نے تین اس کو دیئے تھے فرزند
دور و نزدیک تھا گھر گھر چرچا — باپ بیٹوں کی جوانمردی کا
باپ ہوں جن کے مروت والے — بیٹے پھر کیوں نہ ہوں ہمت والے
ہو چکا عمر کا جب سرمایہ — ایک دن باپ کے جی میں آیا
گھر ہے تکرار کا یہ دولت و زر — مشترک چھوڑ مرے اس کو اگر
جلد ہو جائے کہیں یہ تقسیم — آخر اک روز ہے مرنا تسلیم
بس کہ تھا اس کو بہت فکرِ مآل — ایک دن بیٹھ کے سب مال و منال
اک گراں مایہ جواہر کے سوا — تینوں بیٹوں کو وہیں بانٹ دیا
پھر کہا ان سے کہ اے اہلِ ہنر — باپ کی جان فدا ہو تم پر
تم میں جس سے ہو بڑا کام کوئی — یہ جواہر ہے امانت اس کی
باپ نے ان سے کہا جب یہ سخن — پھر تو تینوں کو لگی اور ہی دھن

کہ کوئی کارِ نمایاں کیجے | جس طرح ہو یہ جواھر لیجے
اُن میں بیٹا جو بڑا تھا سب سے | اس کو یہ فکر سوا تھا سب سے
ایک دن اُس کا کوئی واقف کار | کہ نہ تھا جس سے کچھ اخلاص نہ پیار
رکھ گیا آکے جوانمرد کے پاس | ایک بھاری سی رقم بے وسواس
تھے رقم سے وہی دونوں آگاہ | نہ نوشتہ تھا کوئی اور نہ گواہ
کچھ بھی نیت میں گر آجائے خلل | تو یہ تھا عین خیانت کا محل
جب رقم اُس نے طلب کی اُس سے | وسوسے دل میں بہت سے آئے
مگر اُس شیر کی نیت نہ پھری | لی تھی جن ہاتھوں اُنھیں ہاتھوں دی
نفس سرکش کو کیا مات اُس نے | دی رقم اور نہ دی بات اُس نے
صاحبِ زر نے جو کچھ نذر کیا | وہ بھی اُس دل کے غنی نے نہ لیا
باپ کو آن کے دی جب یہ خبر | ہنس کے فرمایا کہ اے جانِ پدر
اک بُرائی سے بچے تم تو کیا | اس سے بڑھکر بھی کوئی کام کیا
اِک خیانت کے نہ کرنے پہ یہ ناز | شرم کی جا ہے۔ تری عمر دراز"

منجھلے بیٹے نے پھر اِک دن یہ کہا | میں جو دریا کی طرف جا نکلا
دیکھتا کیا ہوں کہ اِک طفلِ صغیر | گر کے پانی میں چلا صورتِ تیر
تھا جہاں یار نہ کوئی یاور | ماں کا پہلو تھا نہ آغوشِ پدر

آنکھ تھی جانبِ مادر نگراں | ماں کنارے پہ اُدھر تھی حیراں
گرچہ تھا کام خطرناک بڑا | پر اُسے دیکھ کے دل رہ نہ سکا
جان و تن کی نہ رہی مجھکو خبر | جا پڑا نام خدا کا لے کر
جان تو جا ہی چکی تھی اُس کی | پر مری شرم خدا نے رکھ لی
ایک دم بھر میں گیا اور آیا | لا کے بیٹے کو دیا ماں سے ملا
باپ نے سُن کے یہ سب اُس سے کہا | کام مَردوں کے یہی ہیں بیٹا
آدمیت کا کیا تم نے کام | جاؤ بس ہے یہی اس کا انعام
فخر کی جا یہ مری جاں کیا ہے | نہ ہو اتنا بھی تو انساں کیا ہے"

پسرِ خُرد کا اب سُنئے بیاں | جو کہ تھا سب سے بزرگی میں کلاں
عرض کرتا ہے بصد عجز و نیاز | باپ سے اپنے کہ اے بندہ نواز
بات گو لائقِ اظہار نہیں | آپ سے کہنے میں کچھ عار نہیں
خوب اِک روز گھٹا چھائی تھی | رات آدھی کے قریب آئی تھی
شبِ تاریک میں وہ ابرِ سیاہ | کہ جہاں کام نہ کرتی تھی نگاہ
اِک پہاڑی پہ چلا جاتا تھا | خوف چھاتی پہ چڑھا جاتا تھا
ساتھ تم تھے نہ کوئی بھائی تھا | میں تھا اور عالم تنہائی تھا
کوندی اِک سمت سے بجلی ناگاہ | جس سے آگے کو کھلی راہِ نگاہ

پڑی اک غار پہ وہاں میری نظر جس کی صورت سے برستا تھا خطر
موت کھولے ہوئے تھی مُنہ گویا جس کے دیکھے سے جگر لیتا تھا
دیکھتا کیا ہوں کہ اِک مردِ غریب ق ۱ جس کو روتی ہیں کھڑی اُس کی نصیب
جیسے رستے کا تھکا ہو کوئی ۲ یا کہ جینے سے خفا ہو کوئی
جان و تن کا نہیں کچھ نیند میں ہوش ۳ غار کے مُنہ میں پڑا ہے مدہوش
اپنی ہستی کی نہیں اس کو خبر اور قضا کھیل رہی ہے سر پر
اجل آجائے تو ہی روک نہ تھام ایک کروٹ میں ہی بس کام تمام
اتنے میں اور جو بجلی چمکی شکل پھر غور سے دیکھی اُس کی
مرد نکلا وہ شناسا میرا تھا مگر خون کا پیاسا میرا
مجھ میں اور اُس میں عداوت گہری ایک مدت سے چلی آتی تھی
واں عداوت پہ گر آؤں اپنی ق اور اصالت پہ نہ جاؤں اپنی
مارنا اُس کا نہ تھا کچھ دشوار اِک اشارہ میں وہ تھا لقمۂ غار
آگیا مجھکو مگر خوفِ خدا اور پہلو سے یہ دی دل نے صدا
مرتے کو مارنا بے دردی ہے ہے بہت دُور جوانمردی سے
حوصلہ کا ہے یہی وقت کہ آج ہے عدو اپنی مدد کا محتاج
جی میں یہ کہکے بڑھا جانبِ غار کہ اسے کیجئے چل کر بیدار
وہاں سے جا اُس کو اُٹھا لایا میں موت کی زد سے بچا لایا میں

منہ کو دامن سے مگر ڈھانک لیا
اُس کو شرمندۂ احساں کیا

سُن کے دی باپ نے بیٹے کو دُعا
اور چھاتی سے لیا اُس کو لگا

پھر بڑے بیٹوں کو بلوا کے کہا
بولو، اب کس سے ہوا کام بڑا؟

داستاں جب یہ سُنی دونوں نے
باپ سے عرض یہ کی دونوں نے

خانہ زادوں کی ہو تقصیر معاف
پوچھیے ہم سے تو ہے یہ انصاف

جس جواہر کے طلب گار تھے ہم
اُس کے لایق تھے نہ حقدار تھے ہم

اور کو اُس کی ہوس ناحق ہے
حق یہی ہے کہ وہ اُس کا حق ہے

باپ یہ سُن کے ہوا شاد بہت
اُن کے انصاف کی دی داد بہت

چھوٹے بیٹے کو بلا کر پھر پاس
پہلے خالق کا کیا شکر و سپاس

پھر جواہر اُسے دے کر یہ کہا
لو، یہ ہو تم کو مبارک بیٹا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً و مصلیاً

ترکیب بند موسوم بہ زمزمۂ قیصری

(مرتبہ ۱۸۷۸ء)

یہ نظم ایک انگریزی پوئم کے تین حصّوں میں سے اوّل حصّہ کا منظوم ترجمہ ہی۔ شاید مسٹر لسٹوک اس کے مصنّف ہیں جنھوں نے کرنل ڈیوس کے توسط سے جب کہ وہ دلّی میں کمشنر تھے اس تمام پوئم کو دلّی کے چند لایق آدمیوں سے فارسی میں نظم کرا کر ولایت میں بڑے اہتمام سی چھپوایا ہی۔ فارسی نظم لکھی جانے سی پہلے صاحب کمشنر نے یہ پوئم اُردو میں ترجمہ کرا کر نظم کرنے کے لئے میرے پاس بھیجی تھی۔ میں اُن کے حکم سے صرف پہلے حصّہ کو اُردو میں کرنے پایا تھا کہ مصنّف نے فارسی میں نظم کرانا چاہا۔ میں نے بسبب علالت کے فارسی نظم سرانجام کرنے سے اپنی معذوری بیان کی اور یہ کام اوروں کے سپرد ہو گیا۔ اس نظم کے تین حصّے ہیں پہلے حصّہ میں ہندوستان اور مسلمان بادشاہوں اور انگریزی سلطنت کا ذکر ہی۔ دوسرا اور تیسرا حصّہ میں تمام ہندوستانی رئیسوں کا جو دربار قیصری میں شریک ہوئے تھے عموماً اور حضور نظام کا خصوصاً تذکرہ ہی۔ مصنّف نے پہلے حصّہ میں بعض مسلمان بادشاہوں پر نکتہ چینی بھی کی ہی۔ ناظرین اس کو دیکھ کر مجھ سے ناخوش یا ناراض نہ ہوں۔ میرا صرف اتنا قصور ہی کہ میں نے اُن خیالات کو ایک ایسی زبان میں نظم کر دیا ہی جس کو میرے ہموطن سمجھ سکتے ہیں۔ اس نظم میں جہاں کہیں ضرورت نے مجبور کیا اپنی طرف سے بھی کوئی بات اضافہ کر دی گئی ہی۔ اور اکثر تمیز کے لئے اس کو بریکٹ میں محدود کر دیا گیا ہی۔ بایں ہمہ ممکن ہی کہ اس کے علاوہ اور بھی کہیں کہیں کچھ اختلاف پایا جائے لیکن جو لوگ انگریزی پولیٹیکل خیالات کو اُردو نظم میں بیان کرنے کی دقتوں سے بخوبی واقف ہیں اُن سے اُمید ہی کہ ایسی خفیف فرد گزاشتوں سی چشم پوشی فرمائیں گے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ای حصارِ عافیت اے کشورِ ہندوستاں	زیب دیتا ہی اگر کہئے تجھے سارا جہاں
اِک طرف کھینچی ہی قدرت نے ترے دیوارِ کوہ	موجزن ہی ایک جانب تیری بحرِ بیکراں
چوٹیوں پر ہی پہاڑوں کی وہ عالم برف کا	ہی سدا چھایا ہوا جس پر خموشی کا سماں
بحر میں ہوتا ہی اِک شورِ قیامت آشکار	جب کہ اس میں آکے گرتی ہیں ہزاروں ندیاں
خوف باہر کا ہی تجھکو اور نہ کچھ اندر کی فکر	(دستِ گلچیں نارسا دُنخلِ دولت گل فشاں)
تو نے فارغ کر دیا ہے فتح ملکِ غیر سے	پھر ضرورت کیا کہ کھولیں ذی سبب تیر اذشاں

چل رہی ہی امن کی ہر سو ہوائے خوشگوار

(ہو نہ اب کمد و خزاں سے رخنہ اندازِ بہار)

اے مقدس آریہ ورتھ آئی کیا تجھ پر بلا	جس نے بزم یک دلی کو تیری برہم کر دیا
کوچ کر جاتا نہ تجھ سے گر وفاق و اتحاد	کون تھا جو تیری جانب آنکھ اٹھا کر دیکھتا
تو کہاں اور اہلِ مغرب کے بھلا حملے کہاں	ہاں مگر نا اتفاقی کی ملی تجھ کو سزا
گر تری اولاد میں ہوتا سلوک اور آشتی	لڑکھڑا جاتے قدم غیروں کے ہنگامِ وغا
گھاٹیوں میں آکے جب ہوتی فراہم تیری فوج	ہوش کھو دیتی سُمِ اسپانِ ہندی کی صدا
بھاگنا بھی دشمنوں کو وہاں سے ہو جاتا محال	دیکھتے جب ہر طرف سے آمدِ سیلِ بلا

یا اطاعت کرتے اور لڑنے سے باز آتے ہیں
یا (اگر کرتے بہت ہمت تو) مر جاتے وہیں

ہند کا حق تھا کہ ہوتی مہر و الفت کی زمیں
قوم کے ہمدرد ہوتے اس مکاں کے سب مکیں

حیف جس مٹی سے اُگنا چاہیئے تھا نخلِ مہر
جم گیا آب و ہوائے دہر سے واں تخمِ کیں

سر بسر تخمِ گلِ خودرو کے جس جنگل میں تھے
(غور سے دیکھا تو) پنہاں تھے درندے بھی وہیں

(امن قایم تھا طلوعِ صبح کے آغاز میں
جتنا دن چڑھتا گیا ہوتا گیا عزلت گزیں)

دیوتا جو آریا کے زعم میں فانی نہ تھے
فانیوں کی طرح یہاں آ کر رہے وہ بالیقیں

جنگ و خوں ریزی کی خو ڈالکر ہوئے وہ رہنما
ورنہ فتنہ کا قدم تک یہاں نہ آیا تھا کہیں

یک بیک آیا خلل امن و اماں میں ہر طرف
ایک تزلزل پڑ گیا ہندوستاں میں ہر طرف

مرحبا اے خطۂ ہندوستاں (صد مرحبا)
اس خرابی پر بھی رہ کے تو نے حملے بارہا

جانتا ہے اک جہاں **سکندرِ اعظم** کا نام
چشمۂ حیواں پہ جس کو لے گیا بختِ رسا

تھا جہاں خوف اور سناٹا بشر کا سدِ راہ
اور نیچر کے طلسموں میں خلل آیا نہ تھا

گہری اور تاریک غاروں میں تھا آبِ زندگی
سایۂ ہیبت تھا جن پر سر بسر چھایا ہوا

گو ہوئی اُس کی رسائی چشمۂ حیواں تلک
پر نہ ہرگز نیزی سارے مرحلے طے کر سکا

جی میں جو حسرت تھی وہ آخر نہ نکلی زینہار
(دل میں جو ارمان تھا وہ دل کا دل ہی میں رہا)

ف یہ شعر اپنی طرف سے اس لئے بڑھا دیا گیا ہے تا کہ بند کے پورے سات شعر ہو جائیں ۱۲ حالی

دقتوں نے فتح کی بے طرح گھبرایا اُسے
کام ہی مشکل تھا یا مشکل نظر آیا اُسے

جس جگہ ملتا ہی ستلج سے سبک رفتار بیاس — رہ گییں فوجیں ٹھٹک کر اُس کی ہاں ساحل کے پاس
بات سنتا تھا نہ کوئی کارواں سالار کی — کارواں اور کارواں سالار کی ٹوٹی تھی آس
تھا کھڑا حیران سکندر اور کہتا تھا کہ بس — فتح ہند اک خواب تھا اور اُس کی تھی تعبیر یاس
جب سکندر پھر گیا ہو یہاں سے بے نیل مرام — کون پھر ایسا ہے آئے یہ عزیمت جس کو راس
بعد مدت پھر وہیں آئی اُمنڈ کر اک گھٹا[1] — بیاس کے میداں میں جس سے چھا گیا خوف و ہراس
جائے حیرت ہے کہ وہ کشور کشائے نامور[2] — پھر گیا کر جہاں سے اپنی فوج لیے قیاس

کر سکے کچھ وہاں نہ اس حملے کے آگے اہل ہند
چھوڑ کر ندی بھری کشتوں سے بھاگے اہل ہند

پہلے اس فتح نمایاں سے بھی اکثر جنگ جو — کر گئے یہاں آن کر تیغ آزمائی میں غلو
ندیاں جو راہ میں حائل تھیں اُن سے بارہا — حملہ آور اُترے اور پڑتے رہی رن سو بسو
وہ نشاں جن کی چمک تھی دبقا مثل شہاب[3] — گہ نظر آئے اٹک پر اور ستلج پر کبھو

[1] اس سے مُراد انگریزی فوج کا حملہ ہے جو ۱۸۴۶ء میں پنجاب پر ہوا ۱۲

[2] یعنی سکندر اعظم ۱۲

[3] یعنی جن کے جھنڈوں کے پھریروں کی چمک شہاب ثاقب کی طرح بے بقا اور ناپائدار تھی اور جو ہندوستان پر حملے کر کر کے محض ناکام یا چند روزہ شمالی ہند پر حکومت کر کے واپس چلے گئے ۱۲

رفتہ رفتہ سرزمینِ گنگ تک پہنچا ہراس   آکے ٹھہرا پہلے میننڈر[۱] کنارِ آب جو

دھار ہیں گنگا کے وہ ہتھیار چمکے سربسر   ہند تک یونان سے جو پہنچے آئے تھی لہو

ناگہاں جہلم پہ چمکی آن کر سِتھیا[۲] کی آگ   اور بھڑکتی رہی آہستہ آہستہ نمود

پہنچی جب گنگا کے لگ بھگ بیاس اور ستلج کو پھاند

ہو گئے یونان کے ہتھیار آگے اُس کے ماند

---

[۱] میننڈر یونان کے سوتیر خاندان کا ایک مشہور بادشاہ ہی۔ یہ خاندان سکندر اعظم کے بعد ملک باختر یعنی خراسان وغیرہ میں غالباً حضرت عیسیٰؑ سے دو سو برس پہلے مُسلط ہو گیا تھا۔ میننڈر نے جیسا کہ بعض مؤرخین نے لکھا ہی ہندوستان پر ۱۸۰ قبل مسیح سے ۱۶۰ قبل مسیح کے درمیان حملے کیے ہیں اُس نے جنوب میں سندھ اور کچھ تک اور مشرق میں متھرا تک فتح کر لیا تھا ۱۲

[۲] بحرِ اسود اور کوہ قاف اور بحیرۂ کیسپین کے شمال میں جو وحشی قومیں آباد تھیں قدیم زمانہ میں اُن کو سِتھیا والے کہتے تھے۔ اب وہ تمام ممالک یورپین روس اور ایشیائی روس میں شامل ہیں۔ سِتھیا والوں کے حملے حضرت مسیح سے سو برس پہلے شروع ہو گئے تھے۔ ان وحشیوں کے غول کے غول ہندوستان پر چڑھ آتے تھے اور لوٹ مار کر چلے جاتے تھے یہاں تک کہ حضرت مسیح کی ولادت سے چند سال بعد کشمیر کے قریب اُن کی زبردست سلطنت قایم ہو گئی تھی۔ اُن کا سب سے زیادہ مشہور بادشاہ کنشکا ہی جس نے بودھ مذہب کی چوتھی کونسل منعقد کرائی۔ شمالی ایشیا میں جو بُدھ مذہب کی شکل ہی وہ اسی کونسل کا نتیجہ ہی۔ سِتھیا کی آگ سے غالباً اُن کی جہاں سوزی و تاخت و تاراج مُراد ہی۔ جیسے کہ بایزید عثمانی کو یِلدرم کہا گیا ہی اور عرب کی فتوحات کو برق سے تشبیہ دی گئی ہی ۱۲

پھر ہوا اسلام کے اقبال کا تارا بلند　　جانب ہندوستاں محمود[۱۵] نے ہانکا سمند

[۱۵] انگریزی مؤرخوں اور شاعروں کو جب یہ منظور ہوتا ہے کہ لوگوں کو اپنی رحمدلی اور انسانی ہمدردی پر فریفتہ اور مسلمانوں پر غضب ناک اور افروختہ کریں تو وہ محمود غزنوی اور تیمور وغیرہ کی سختی اور تشدد کو خوب چھڑک چھڑک کر جلوہ گر کرتے ہیں جس طرح اس بند میں محمود کی بے رحمی اور ظلم کا بیان کیا گیا ہے اسی طرح ایک اور انگریزی نے اس کی شان میں کچھ اشعار لکھے ہیں جن کا اردو ترجمہ یہ ہے۔ نظم

ای ملکِ زرنگار ہندوستان ہے وہ کون　　حملہ سے جس کے ہے ترے ارکان میں زلزلہ
وہ تیرے قصر اور ستوں دار سائباں　　معبد وہ جو پہاڑوں کے غاروں میں ہیں نہاں
ٹھاکر اور ان کے مندر۔ راجا اور ان کی تخت　　حملہ سے اس کے آکے پڑا سب پہ وقت سخت
پتلا غضب کا کون سا وہ ہول ناک ہے؟　　اے ملکِ زرنگار وہ غزنی کی خاک ہے
آتا ہے لوٹتا ہوا اس بزم گاہ میں　　پھرتے ہیں بکھرے تاج بہت اس کی راہ میں
کتے جو اس کے ساتھ شکاری ہیں بیشمار　　ان کے گلوں میں ہیں وہ جو ہیں زرنگار ہار
بے رحم فوج لائی ہے جو لوٹ مار کر　　مقتول رانیوں کے گلے سے اتار کر
کرتا ہے قتل لڑکیوں کو وہ گھروں کے بیچ　　اور بے گناہ پجاریوں کو مندروں کے بیچ

اگرچہ ان دونوں شاعروں نے محمود کے تشدد کو بہت مبالغہ کے ساتھ بیان کیا ہے مگر حق یہ ہے کہ مسلمانوں کے لئے ان کے بعض بادشاہوں کی ظالمانہ کارروائیاں گو وہ کیسی ہی تاریکی اور وحشت کے زمانہ میں کی گئی ہوں ہمیشہ باعث شرم و ندامت رہیگی۔ لیکن ہم پوچھتے ہیں کہ آیا دنیا میں کوئی ایسی قوم ہے جو اس دھبہ سے پاک ہو؟ یورپ کی تاریخ سے ظاہر ہے کہ یورپ کی شائستہ قومیں جو آج اپنے سوا تمام دنیا کی قوموں کو وحشی یا نیم وحشی کا خطاب دیتی ہیں محمود کے زمانہ میں بلکہ اس کے بعد کئی صدیوں ایشیا سے بمراتب زیادہ وحشت و خونریزی و بے رحمی میں مبتلا تھیں اور اگر انصاف سے دیکھا جاوے تو بنی نوع انسان کی دو خصلتیں نہ کبھی بدلی ہیں نہ آیندہ بدلنے کی امید ہے۔ ایک طمع اور خودغرضی دوسری زبردستوں کا زیردستوں کو دلنا اور پیسنا۔ جس طرح مگرمچھ مچھلیوں اور مینڈکوں کو یا شیر اور چیتا ہرن اور نیل گائے کو نوش جان کرتا ہے اسی طرح جو انسان قوی اور زبردست ہیں وہ ضعیف اور کمزور انسانوں کے شکار کرنے سے کبھی درگزر نہیں کرتے۔ سولھویں صدی کو جس میں اہل یورپ امریکا میں جا کر آباد ہوئے کچھ بہت زمانہ نہیں گزرا۔ اس صدی میں یورپ کی بعض قوموں کے ہات سے امریکا کے اصلی باشندوں پر کون سا ظلم اور کونسی بیرحمی ہے جو روا نہیں رکھی گئی۔ میکسیکو اور پیرو جو کہ امریکا کے دو شائستہ ملک تھے وہاں کے مفتوحین پر جو وحشیانہ ظلم ہسپانیہ والوں نے کئے ان کی نظیر دنیا کی تاریخ میں مشکل سے ملے گی۔ کورٹیز جو کہ ہسپانیہ کا رہنے والا اور میکسیکو کا فاتح تھا اس نے اور اس کے بعد نئے وارد ہونے والے جرنیلوں نے یہ ٹھان لی کہ میکسیکو کو قاطبۃً ویران کر دیجاوے

وہ مسلمانوں کے حق میں ابرِ رحمت تھا مگر ہندوؤں کے دل ہیں اُس کے ستم سے دردمند

(بقیہ نوٹ صفحہ ماسبق) وہاں ہسپانیہ کی ایک کولونی آباد کیجئے۔ چنانچہ جہاں تک اُن سے ہو سکا وہاں کے قدیم باشندوں کے نیست و نابود کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ کورٹیز نے میکسیکو کے شاہنشاہ موہنی زوما کو گرفتار کر کے اُس کو لٹکا دیا اور اُس کی رعایا کو اُس کی آنکھ کے سامنے جلایا اور قتل کرایا۔ بڑی بڑی الاؤ لگے ہوئے تھے جن میں ہزارہا بنی آدم عام طور پر بے تکلف جلائے جاتے تھے۔ معصوم بچوں کے روبرو اُن کی مائیں اور باپ بہ ہزار عقوبت و سختی آگ میں جھونک دیئے جاتے تھے۔ دیہات اور جنگلوں میں ہزاروں آدمی شکاری کتوں سے پھڑوا ڈالے جاتے تھے۔ یہ ہسپانیہ کے وہی مقدس اور بے عیب عیسائی تھے جنھوں نے کافروں یعنی مسلمانوں کو غرناطہ سے ایک ناپاک اور گنہگار قوم ہونے کا الزام لگا کر نکالا تھا اور جن کا قول تھا کہ ظالم اور بددین مسلمان اس لائق نہیں ہیں کہ فرشتہ صفت عیسائیوں کے ہمسایہ اور ہموطن ہو کر رہیں۔ اندازہ کیا گیا ہے کہ تقریباً ایک ملین بنی آدم ان مقدس عیسائیوں کے ہات سے طرح طرح کی عقوبت اور سختی کے ساتھ مارے اور جلائے گئے۔ یہی حال کچھ دنوں بعد پیرو کا ہوا۔ یہ ملک جنوبی امریکا میں بحر الکاہل کے کناری پر واقع ہے۔ فرنسیلو پزیرو کہ غالباً اٹلی کا رہنے والا ایک مجہول النسب آدمی تھا اس کو جنوبی امریکا میں فتوحات کرنے اور وہاں سے سونا چاندی رولنے کا مدت سے خیال تھا۔ اس نے پناما یا اُس کے قریب کسی اور مقام میں ایک جماعت کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ ایک بیڑا جہازوں کا اور کچھ سپاہ اُس کے ماتحت ملک پیرو کو جس کے متمول کی بہت شہرت تھی روانہ کریں۔ چنانچہ اس سامان کے ساتھ وہ وہاں پہنچا اور ایک دو پھیری کے بعد اس ملک پر قابض ہو گیا۔ پھر تو کوئی ظلم تعدی ایسی نہ تھی جو پیرو کے اصلی باشندوں پر جائز نہ رکھی گئی ہو۔ اُن سے سونا اور چاندی چھین چھین کر اپنے ملک کو بھیجتا تھا۔ ہزاروں بندگان خدا اس کے ظلم و ستم سے ملک چھوڑ چھوڑ کر پہاڑوں پر چڑھ بیٹھے تھے جہاں وہ آخر کار فاقے کر کر کے مر جاتے تھے اور ہزاروں قتل کرائے جاتے تھے۔ تمام مؤرخوں کا اتفاق ہے کہ ایسی بیرحمی کبھی دنیا میں نہیں ہوئی۔ انگریزوں کا بیان ہے کہ آسٹریلیا کے قدیم باشندوں پر بہت سختی نہیں کی گئی اگر یہ بیان صحیح ہے تو وہاں سختی کی بہت ضرورت بھی نہ تھی۔ وہ بیچارے اس درجہ ناہموار، بیڈول اور ناشائستہ تھے کہ انگریزی فاتحوں کی صورتیں ٹیپ ٹاپ اور چمک دمک دیکھ کر شرم کے مارے زمین میں گڑے جاتے تھے اور کسی طرح ممکن نہ تھا کہ اُن کے پڑوس میں رہ سکیں جب قدر انگریزی مہاجروں کی تعداد آسٹریلیا میں بڑھتی گئی وہ لوگ ملک کے اندرونی حصہ میں غائب ہوتے گئے اور رفتہ رفتہ وہیں معدوم ہو گئے اب شاذ و نادر کہیں کہیں اندرونی پہاڑوں کے سلسلہ میں پائے جاتے ہیں۔ تسمانیہ کے قدیم باشندے جو ایک خوش بشرہ مگر ان سویلائزڈ قوم تھی یورپ والوں کی ہمسائگی کے باعث بالکل فنا ہو گئی یہاں تک کہ اب ایک متنفس بھی اُن کی نسل کا باقی نہیں پس آسٹریلیا کے قدیم باشندے جو انڈومان والوں سے بھی زیادہ بدقوارہ اور ناشائستہ تھے انگریز جیسی اعلیٰ درجہ کی شائستہ قوم کے پڑوس میں کیوں کر ٹھہر سکتے تھے ؎ تو بجلوہ چوں درآئی۔ اجل از سرِ ترحم + ہمہ جا کند منادی کہ احتراز کردن

(بقیہ نوٹ صفحہ آئندہ)

(بقیہ نوٹ صفحہ ماسبق) اگر نی
اُنھوں نے مُفت کی بدنامی نہیں ر
بات یہ ہی کہ دنیا کے ایک بڑے
سے اس قدر آگے بڑھ گیا کہ اگلے زمانہ کے فاتح اور سو
سلطنت کے مالک ہوتے تھے اُن ذریعوں کے کام میں لانے کی اب مطلق ر
پہلے قتل و غارت اور لوٹ کھسوٹ سے حاصل کیا جاتا تھا اس سے اضعافاً مضاعفہ اب
خود بخود دکھچا چلا جاتا ہی۔ یہاں تک کہ جب دو ایسی گورنمنٹوں کے درمیان جن میں سے ایک شار
ہو تجارتی عہدنامہ تحریر ہوجاتا ہی تو یہ یقیناً سمجھ لیا جاتا ہی کہ شایستہ گورنمنٹ بغیر اس کے ہلدی لگے یا پھٹکری دوسری
گورنمنٹ کے تمام ملک و دولت و منافع و محاصل کی بالکل مالک ہوگئی۔ کسی شاعر نے خوب کہا ہی ؎

نہیں خالی ضرر سے وحشیوں کی لوٹ بھی لیکن — حذر اس لوٹ سے جو لوٹ ہی علمی و اخلاقی
نہ گل چھوڑے نہ برگ و بار چھوڑی تو نے گلشن میں — یہ گلچینی ہے یا آتش ہی۔ گلچیں! یا ہی قزاقی

شاید ان شعروں میں کچھ مبالغہ ہو لیکن اس میں شک نہیں کہ جو نتیجہ اگلے زمانہ کے غارتگروں کی لوٹ کھسوٹ سے مترتب ہوتا تھا اُسی نتیجہ کے قریب قریب یہ شائستہ لوٹ بھی پہنچا دیتی ہی۔ کروڑوں اہل صنعت و حرفت جن کی دستکاری مکینکس کا کسی طرح مقابلہ نہیں کرسکتی نان شبینہ کو محتاج ہوجاتے ہیں۔ فلاحت پیشہ لوگوں پر یہ بپتا پڑتی ہی کہ زمین کی پیداوار جس قدر کثرت کے ساتھ غیر ملکوں کو جاتی ہی اُسی قدر ملک میں زیادہ کاشت کا تردد کیا جاتا ہی اور اس سبب سے روز بروز زیادہ لاگت لگانی پڑتی ہی اور محنت کا کافی معاوضہ نہیں ملتا۔ یہ پولیٹکل اکونمی کا مسلم مسالہ ہی کہ قدرتی پیداوار کی جس قدر زیادہ مانگ ہوتی جاتی ہی اسی قدر اُس کے بہم پہنچانے میں زیادہ لاگت اور زیادہ محنت صرف ہوتی ہی اور مصنوعی چیزوں کی جس قدر زیادہ طلب ہوتی ہی اسی قدر اُن پر کم لاگت آتی ہی اور کم محنت صرف ہوتی ہی۔ ملکی تاجروں کے لئے جو کہ شائستہ ملکوں کی مصنوعی تجارت کرتے ہیں۔ اوّل تو او پہ والے منافع کی کچھ گنجایش ہی نہیں چھوڑتے اور اگر قدرِ قلیل (جیسے آٹے میں نمک) کچھ فائدہ ہوتا بھی ہی تو اپنے ملک کی نہایت ضروری اور ناگزیر اشیا کا نرخ گراں ہونے کے سبب اُن کی کمائی میں سے بہت کم پس انداز ہوتا ہی اور جس قدر رہتا ہی وہ غیر ملکوں کی آرایشی اور غیر ضروری چیزوں کے خریدنے میں جو باوجود کمال نفاست اور لطافت کے نہایت ارزاں دستیاب ہوتی ہیں صرف ہوجاتا ہی۔ پس ان کو بھی فارغ البالی اور آسودگی کبھی نصیب نہیں ہوتی اور اگر سو دو سو میں دو چار ایسے نکل بھی آتے ہیں جو اپنے ملک میں مرفہ الحال سمجھے جاتے ہیں ان کا معاملہ اور لین دین اُن کروڑ پتیوں سے ہوتا ہی جن کے مقابلہ میں وہ اپنے تئیں محض مفلس اور قلاش تصور کرتے ہیں اور جن کی مانگ سے ہمیشہ

(بقیہ نوٹ صفحہ آئندہ)

ماریکی رخشت کے زمانے میں تھا اُسی کے
ے پہلے جبر و تعدی کی ضرورت تھی۔ اب
ب سویلائزڈ دُنیا کی طرف خود بخود کھنچی چلی جاتی ہے
... رہا تھا کہ تو کیسا بیرحم ہے کہ ہمیشہ جانداروں کا خون پینے کی فکر میں
ن میں دُور دُور کے دھاوے کرتا ہے تمام جنگلوں میں تیری دھاک ہے۔ آج اُس
ں اُس پاڑے کے ٹکڑے اُڑا دیئے ایسی خونخواری پر کمر باندھنی اچھی نہیں ہے۔ شیر نے کہا
کہ قبلہ! اگر میری سانس میں ایسی کشش ہوتی کہ دُور دُور سے جانور خود گھسٹتے ہوئے میرے مُنہ میں چلے آتے
اور میری حرص و آز کی آگ کو بجھا دیتے تو میں بھی ہرگز کسی بے گناہ کے خون میں اپنی بات رنگین نہ کرتا۔" مع ذلک
اگر کہیں آزادیِ تجارت میں کوئی مزاحمت پیش آتی ہے اور بغیر جبر و تعدی کے کام نہیں چلتا تو اعلیٰ سے اعلیٰ
درجہ کی شائستہ قوم سب کچھ کرنے کو موجود ہو جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ آزادیِ تجارت کی مزاحمت رفع کرنی عین انصاف
ہے حالاں کہ آج تک پولیٹیکل اکونمی نے اس بات کا تصفیہ نہیں کیا کہ فری ٹریڈ کا قاعدہ مطلقاً قرینِ انصاف ہے
یا خاص خاص صورتوں میں خلاف انصاف بھی ہو سکتا ہے انگلینڈ کا فائدہ فری ٹریڈ میں ہے اس لئے وہ اسی کو
عین انصاف سمجھتا ہے فرانس اور یونائٹڈ اسٹیٹس اس کو اپنے حق میں بالفعل مضر سمجھتے ہیں۔ اس لئے وہ اس کو
جائز نہیں رکھتے لیکن انصاف شرط ہے۔ جن حکمتوں اور تدبیروں سے آجکل دُنیا کی دولت گھسیٹی جاتی ہے اُن پر
بخلاف اگلے زمانہ کی جابرانہ لوٹ کھسوٹ کے کچھ اعتراض نہیں ہو سکتا۔ مشہور ہے کہ حکیم علوی خاں کے زمانہ میں
جو کہ محمد شاہ کا معالج اور ایک نہایت حاذق طبیب تھا ایک عطار بھی اس کے نسخے دیکھتے دیکھتے علاج کرنے
لگا تھا۔ لوگوں نے اس کا ذکر علوی خاں کے سامنے بھی کیا اور یہ کہا کہ جس قدر مریض آپ کے علاج سے اچھے
ہوتے ہیں اور مرتے ہیں اس کے قریب قریب اس کے علاج سے اچھے بھی ہوتے ہیں اور مرتے بھی ہیں
علوی خاں نے کہا بلے۔ "لاکن من بقاعدہ می کشتم واں قرم ساق بے قاعدہ می کشد" ۱۲ حالی

روندتا تھا جس کو وہ کھیتی نہ ہوتی تھی ہری | صلح سے بجھتا نہ تھا ہوتا تھا جو شعلہ بلند
خوف تھا دل میں خدا کا اور نہ کچھ بندوں پہ رحم | قتل اور تاراج تھا اک بازیِ سلطاں پسند

جب وہ آیا تھا تو سرتا پا گلستاں تھا یہ ملک
جب گیا یہاں سے تو مثلِ دشتِ ویراں تھا یہ ملک

آخر اے دانا حکیموں کچھ سبب اس کا بتاؤ! | ہے بنی آدم کو کیوں قتلِ بنی آدم کا چاؤ؟
جب کہ حق اور راستی ہے خاص رحمانی صفت | پھر تعجب ہے کہ جباری کا ہو اس میں لگاؤ
جب کہ ہے سرچشمۂ مہر و محبت ذاتِ حق | پھر نہ مانی جائے کیوں اس کی شریعت بے دباؤ
کیا یہ زیبا ہے کہ دینِ حق کو اے ابنائے جنس | زور سے منواؤ تم اور ندیاں خوں کی بہاؤ
یا یہ بہتر ہے کہ سچی دوستی اور پیار سے ق | اور ان باتوں سے جن میں جلوہ الفت کا دکھاؤ
دل کرو اہلِ جہاں کے پہلے تسخیر اور پھر | حکم پھیلاؤ خدا کے اور یقیں ان پر دلاؤ

راہِ حق کو خار و خس سے پاک ہونا چاہیئے
گلشنِ دیں بے خس و خاشاک ہونا چاہیئے

خار ہی خار آتے ہیں مدت سے لیکن یہاں نظر | خون ہی استاد[1] اور شاگرد دل کا ھدر
آشتی اور امن کی دیتے ہیں جو تعلیم یہاں | راحت اور آرام کو کھوتے ہیں اپنے سر بسر
اور یہی چاہتے ہیں اس طرح تعلیم جو | وہ زمانے کے ستم لیتے ہیں اپنی جان پر
بات حیرت خیز ہے پر شک نہیں اس میں ذرا | نخلِ شادی آنسوؤں کی نم سے لاتا ہے ثمر

[1] استاد اور شاگرد کی شرح نیچے کے دو شعروں میں کی گئی ہے ۱۲

دمبدم سیراب اگر خونِ شہیداں سے نہ ہو — رہ نہیں سکتا ہرا دنیا کی راحت کا شجر

بے شہادت مل نہیں سکتی حیاتِ سرمدی — موت ہی در زندگی کا اور الم بابِ ظفر

غیر کے زخموں پہ ہرگز رحم ہم کھاتے نہیں

آپ جب تک زخم کاری کا مزا پاتے نہیں

اے جلال الدین ہی تو ہی وہ شاہِ نامدار — صلحِ کل جس کی زمانہ میں رہیگی یادگار

بسکہ آزادی بنی نوعِ بشر کو تو نے دی — رائے پر ہر شخص کی ٹھہرا عقیدہ کا مدار

فہم سے بندوں کے بالا تر تھے جو اسرار دیں — بحث کرنے کا بِلا بندوں کو ان میں اختیار

حوصلہ نکلا ترا شاہانِ پیشیں سے وسیع — تجھ سے القابِ شہنشاہی نے پایا اعتبار

پر تری اولاد نے کی پیروی تیری نہ حیف — ہو گیا اُن کا تعصب خود گلے کا اُن کے ہار

ثمرہ آخر مل گیا اُن کے تعصب کا اُنھیں — کر گیا رحلت جہاں سے جلد اُن کا اقتدار

خار و خس کے ڈھیر ہیں کھنڈروں میں اُن کے آج وہاں

دولتِ روئے زمیں کل جلوہ آرا تھی جہاں

خیر اُن کے ذکر سے اب کیجئے قطع نظر — خوبیاں تھیں عہد میں اُن کے نہ لیکن اس قدر

امن و راحت ۔ اتفاق اور برکتیں انصاف کی — ملک افزائش سی ہو جن کی بدولت بہرہ ور

اور رعیت کی اطاعت جو نہ مجبوری سی ہو — بلکہ جس سے رغبت اور اخلاص ہو خود جلوہ گر

نعمتیں ہندوستاں کو یہ ہوئیں اس دم نصیب — چھا رہی تھی جب کہ مایوسی دلوں پر سر بسر

امن و راحت کا تصور تک نہ آیا تھا کبھی — جائے حق ناحق کا سکہ چل رہا تھا بے خطر

دیکھ کر آخر بدی کا دَور دَورہ نیکیاں ہو چکی تھیں یہاں سے رُخصت آہ ٹھنڈی کھینچ کر

اُس اندھیری میں اُجالا ناگہاں پیدا ہوا
چشمۂ حیواں کا ظلمت میں نشاں پیدا ہوا

کیا مرہٹے۔ کیا مغل۔ سادات کیا۔ افغان کیا عہد میں سب کے رہی یہاں بارشِ ابرِ بلا
علم فن۔ جرأت۔ نکوئی۔ مٹ گئیں سب خوبیاں دمبدم طوفاں بدی اور عیب کا بڑھتا رہا
یاس سی حالت عجب اِک ہند پر طاری ہوئی بحرِ بے پایاں میں گویا سخت طوفاں تھا بپا
ناخداؤں کے بجا تھے اور نہ ملاحوں کے ہوش اور جہازِ عافیت تدبیر کے بس میں نہ تھا
بے طرح چھایا ہوا تھا ابرِ ظلمت چار سو کوکبِ رہبر کا ڈھونڈے سے نہ ملتا تھا پتا
کوندنا بجلی کا تھا گویا کہ جگنوں کی چمک اِک جھلک آئی نظر اور پھر اندھیرا چھا گیا

جو کہ بزدل تھے وہ غش کھا کھا کے گرتے تھے وہاں
اور جی چھوڑے ہوئے تھا ہر جری اور سورما

ڈوبنے کے جب نظر آنے لگے آثار سے تب نجات آئی یہاں ساتوں سمندر پار سے
آ کے انگلستان نے طوفاں کو للکارا کہ بس باز رہ اے فتنہ اپنی گرمیِ رفتار سے
مدتوں کی سختیوں سے ملک چھوٹا یک قلم ہند کو اپنوں[۱] نے دی آ کر نجات اغیار سے
اہلِ ہند اور اہلِ مغرب اصل میں سب ایک تھے کچھ دنوں بچھڑے رہے پر گردشِ ادوار سے
گو رہے چند سے جُدا پر مل گئے انجام کو کلفتیں بدلی گئیں فرقت کی آخر پیار سے

[۱] اپنوں سے مُراد مغربی آریہ یعنی انگریز اور اغیار سے مُراد مسلمان۔ ۱۲

اہلِ مغرب کو نہ سمجھیں غیر ہرگز اہلِ ہند (آئینہ اور سنگ دونوں نکلے ہیں کہسار سے)

اب نہ چھوڑیگا یقیں وہموں کی اڑ کاٹے بغیر

دوستی رہتی ہے کب نفرت کی جڑ کاٹے بغیر

دہریوں کا فرقہ لایعقل و کوتاہ بیں ۱ اپنی کجرائی سے جو تقدیر کا قائل نہیں

اب ہیولیٰ کو نہ سمجھے مصدرِ کل کائنات ۲ اتفاقِ دہر پہ رکھے نہ بنیادِ یقیں

ورنہ ہم پوچھیں گے اس سے کس طرح اک اتفاق ۳ یا ہیولیٰ لے گیا مغرب سے تا مشرق زمیں

کچھ جہاز اور چند سوداگر تجارت کے لئے ۴ تا کہ ہوں پردیسیوں کی طرح وہاں جا کر مکیں

اور پھر اس کشورِ آباد پر قابض ہوں وہ ۵ ایک مدت تک ہا مغلوں کے جو زیرِ نگیں

کیا یہ سب کچھ اتفاقاً ہو گیا اے اہلِ رائے

یا مشیت نے تماشے اپنی قدرت کے دکھائے

ایسے ہذیانات بیجا سے یہ بہتر ہے کہ ہم مان لیں سُر[ا] اور اسُر کی داستانِ بیش و کم

[ا] سر دیوتا اور اسر راکشس کو کہتے ہیں۔ مہابھارت میں لکھا ہے کہ اگلے زمانہ میں ایک بار دیوتاؤں اور راکشسوں کی لڑائی ہوئی تھی جس میں دیوتا فتحیاب ہوئے اور راکشس ہارے۔ راکشسوں کو یہ خیال ہوا کہ ہم باوجودیکہ دیوتاؤں سے قوی اور زبردست ہیں پھر کیوں اُن سے مغلوب ہو گئے۔ آخر یہ معلوم ہوا کہ ان کے پاس علم یعنی منتروں کی طاقت ہے۔ راکشسوں نے اُن کے منتر اور کتابیں چرالیں اور ایک راکشس سنکھا سر نام اُن سب کو لے کر سمندر میں غائب ہو گیا۔ ایشور نے جو یہ حال دیکھا تو خود مچھلی کا روپ بھر سنکھا سر کو سمندر میں جا کر ہلاک کر دیا اور دیوتاؤں کے سارے منتر اور پستکیں صاف نکال لائے۔ ایشور جی کی زبانی یہ بھی معلوم ہوا کہ سمندر میں اور بھی بہت سے رتن یعنی مفید اور نایاب چیزیں ہیں اُن کو نکالنا چاہیئے انھوں نے کہا کہ میں کچھوا بنتا ہوں میری پیٹھ پر رائی کی جگہ ہمالیہ پربت کو رکھ دینا اور تسمہ کی جگہ باسگی (سانپ کا نام ہے) کو ہمالیہ کے گرد لپیٹ کر اس کے دونوں سرا اور اسرا اس طرح سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ)

گو کہ افسانہ ہی لیکن دہریوں کے قول سے ۔۔۔ اسمیں کچھ باتیں زیادہ دلنشیں پاتے ہیں ہم
اہلِ انگلستان کا آنا سمندر پار سے ۔۔۔ ہی سمندر کا بلونا فی المثل اے محترم
زندگی جو اُس سے اہلِ ہند کو حاصل ہوئی ۔۔۔ ہی وہ امرت جو کہ پہنچا ہی سمندر سے بہم

(بقیہ نوٹ صفحہ ماسبق) پکڑیں کہ سانپ کے مونھ کی طرف سے سُروں کے اور دم کی طرف سے اُسروں کے ہاتھ میں رہے اور اس طرح سمندر کو بلو ڈالیں۔ اُنھوں نے ایسا ہی کیا یہاں تک کہ سمندر میں سے چودہ[۱۴] رتن یعنی لچھمی جواہر شراب۔ دھنتر بید۔ چاند۔ گئو گھوڑا۔ سفید ہاتھی۔ تیر کمان۔ امرت بس وغیرہ برآمد ہوئے۔ امرت پر سروں اور اسروں کی باہم تکرار ہوگئی اُنھوں نے کہا ہم لیں انھوں نے کہا ہم لیں۔ ایشر ایک حسین عورت کا روپ بھر کر ان پر ظاہر ہوئے۔ دیوتا اور راکشس دونوں اسکی صورت پر فریفتہ ہوگئے اور آپس میں یہ بات قرار دی کہ یہ عورت جسکو جو کچھ دے وہ اُسکو خوشی سے لے لے۔ چنانچہ اس عورت یعنی ایشر نے ایک لچھمی تو اپنے واسطے رکھ لی اور باقی تمام رتن دونوں فریق پر تقسیم کردیے۔ امرت سُروں کے حصہ میں آیا تھا مگر تھوڑا سا تقسیم ہونا باقی تھا کہ ایک راکشس اُٹھا کر پی گیا۔ دیوتاؤں میں سے ایک نے اُسکا سر اُڑا دیا لیکن بس کو کسی نے لینا قبول نہیں کیا۔ شیو یعنی مہادیو جی نے کہا لاؤ اسکو میں کھا جاؤں۔ وہ اُسکو کھا تو نہ سکے مگر اپنے کنٹھ یعنی حلق میں رکھ لیا جس کے سبب سے اُن کا گلا نیلا پڑگیا۔ شاعر اس بند میں قصہ مذکور کیطرف اشارہ کرتا ہی۔ وہ کہتا ہی کہ برٹش حکومت کا ہندوستان میں قائم ہونا اس قصہ کا مصداق ہی گویا انگریز مثل دیوتاؤں کے ہیں جو اپنے علم کی طاقت سے راکشسوں یعنی ہندوستان کے لٹیروں اور پنڈاروں اور ظالم حکمرانوں پر غالب آئے اور وہ جو انگلستان سے کئی سمندر طے کرکے ہندوستان تک پہنچے یہ گویا سمندر کا بلونا تھا اور انکی سلطنت سے جو زندگی یعنی امن ورفاہ وآزادی اور جان ومال کی حفاظت ہندوستان کو حاصل ہوئی یہ وہ امرت ہی جو سمندر سے برآمد ہوا اور جس زہر سے مہادیو کا حلق جل گیا یا نیلا پڑگیا تھا اُس سے خود انگریزی سلطنت کو مثال دی ہی مطلب یہ ہی کہ جس طرح حق باطل کے واسطے زہر ہی اسی طرح یہ سلطنت قدیم سلطنتوں اور انکی طرز حکومت کے حق میں زہر ہلاہل کا حکم رکھتی ہے اس سے اگلے دیوتاؤں یعنی قدیم بادشاہوں کی حکمرانی کے طریقے اور قاعدے سب محو ہو جائینگے اور انکی تائید میں جو غیب سے آوازیں آتی تھیں وہ بند ہو جائینگی اور جبتک کہ ہندوستان میں صبح صادق علم اور شائستگی کی روشنی نمودار نہو گی برابر قدیم زمانہ کی تاریکیوں کو یہ سلطنت محو کرتی رہیگی ۱۲

اب نہ وہ زہر جس سے حلق شیو کا جل گیا ق یہ وہی حق ہی کہ جو ہی واسطے باطل کے سم

جس سے ہو گی محو اگلے دیوتاؤں کی نمود ۲ اور ہونگے ہاتفانِ غیب گونگے یک قلم

جو مٹائے جائیگا باطل کی ظلمت کے نشاں

صبح صادق کی نہو گی روشنی جبتک عیاں

ہند میں پہلے کبھی جو سلطنت یکسو نہ تھی — اس کو امر اتفاقی جاننا ہے ابلہی

یہ بھی کہنا غیر ممکن ہی کہ تھی اسلاف میں — تجربہ کی عقل کی۔ تدبیر و جرأت کی کمی

ہاں مگر تقدیر پر ہے جب کہ ہر شے کا مدار — چاہیئے کہنا کہ تقدیر الٰہی تھی یہی

اکبر اور شاہجہاں کی ذاتمیں کیا کچھ نہ تھا — سلطنت کی جو لیاقت چاہیئے وہ اُنمیں تھی

دھاک نادر شاہ کی بھی کم نہ تھی شیروں سی کچھ — فتح اُن کی پر نہ اپنی حد سے آگے بڑھ سکی

آج یہ صوبہ پھرا۔ کل ملک وہ باغی ہوا — عہد میں سب کے یہی نقشہ یہی صورت رہی

دُور تھا وہ دن کہ سر ہوں ایک زیر سب کے خم

ہند کی فوجیں ہوں ساری زیر سلطانی علم

راج پر راجہ اشوکا کی ہیں وہ لاٹھیں گواہ — جن پہ فرماں اُسکے ابتک ثبت ہیں بے اشتباہ

ہند میں از بسکہ جو لاٹھیں گڑی ہیں دور دور — ہی ہویدا اُن سے اُسکی وسعتِ تمکین و جاہ

پر نشانِ فتح جو اوّل پلاسی میں گڑا — اور پھر کابل میں پہنچی چرخ تک اُس کی کلاہ

مدتیں گزریں کہ وہ اُترّ سے لے کر تا دکن — کرچکا ہی حد سے ان لاٹھوں کی بڑھکر قطع راہ

پورب اور پچھم میں بھی ڈالا ہی اُس نے دور دور — سایۂ عدل و نکوئی پر توِ امن و رفاہ

ہم نے یہ مانا کہ پتھر پر ہیں جو کندہ حروف　　وہ رہینگے منتقش اُس پر ہزاروں سال و ماہ

نام ہے وکٹوریہ کا اُن سے بڑھ کر پائدار

نقش ہر اک صفحۂ دل پر ہے جس کا اُستوار

مشرقی تاج آج تک تھا پیش رب ذوالمنن　　اک امانت بس سے محرم تھا نہ فرق مرد و زن

قبضۂ تقدیر میں اب تک رہا محفوظ وہ　　مر گئے اُس کی تمنا میں سلاطین زمن

ہاں مگر اے فخر شاہان جہاں وکٹوریا　　تھی ترے فرق مبارک سے لگی اُسکی لگن

گر کہے کوئی کہ اوروں نے نہ کیوں پایا یہ تاج　　اُس سے کہدو لا لوتی حلوا نہیں ہی ہر دہن

گو بہت دنیا میں شاہ و شاہ بانو ہیں مگر　　بانوے برطانیہ کا سب سی بالا ہے چلن

ماکسی اولاد کو ایسی نہیں ہوتی نصیب　　اور نہ ماں کو ایسی بیٹی اور نہ دولہا کو دلھن

نیک نیت پاک دل ایسے بشر ہوتے نہیں

رنج سہنے کے لیے ایسے جگر ہوتے نہیں

وہ جزیرہ جو کہ روے بحر پر ہے مثل خال　　دہوپ کا اور روشنی کا جسکی حد میں ہی کال

جس سے آگے بڑھ کے ہیں آثار قدرت ناپدید　　کچھہ نہیں آتا نظر جز ذات رب ذوالجلال

یعنی انگلستان ہی جس کی حقیقت اس قدر　ق　شائد اسکے باب میں کوئی یہ کر بیٹھے سوال

کیا ضرورت ہی کہ وہ مختار اور قابض رہے　۱　سرزمین ہند پر ہی جسکی وسعت کا یہ حال

اُس سے کہدو خون بہی اولاد کا جسکی جہاں　۲　آب باراں کی طرح۔ اور بحر و بر ہو جائیں لال

جسکے لینے اور بچانے کیلیے لاکھوں شجاع　۳　جنگ میں گھوڑوں کی ٹاپوں سے ہوے ہیں پائمال

مفت اپنے ہاتوں سے کھو دینا روا ہو کس طرح
خوں بہا ان سورماؤں کا ادا ہو کس طرح

اور سب جانے دو کیا عظمت کی کچھ قیمت نہیں یا فتوحاتِ نمایاں لائقِ وقعت نہیں؟
پے بہ پے فتح و ظفر کی قیمتی زنجیر کیا دوش پر اک قوم کے پیرایۂ عزت نہیں؟
واسطے اولاد کے میراث جسکو چھوڑ جائیں اسقدر بھی دولتِ عزت میں کیا برکت نہیں
سمجھے اس دولت کو جو ناچیز اُسکی روح کو جسمِ خاکی سے جو سچ پوچھو تو کچھ سبقت نہیں
بحث کرنی اُس سے لاحاصل ہی سمجھا دو اُسے تجھ کو انگلستان کی شہرت سے کچھ نسبت نہیں
ناحق ایسے شخص کے کہنے کا تم مانو بُرا جسکی فطرت میں کہ حیوانوں سے کم خسّت نہیں

ننگِ ذلت ہی نہ کچھ پروائے عزت ہی جسے
ہر ذلت اور پستی پر قناعت ہے جسے

جُرأتیں اسپارٹا سے یہ نہ ہوتیں آشکار گر بزرگوں کی مہمیں واں نہ ہوتیں یادگار
جب بڑوں کے اپنے ساکے یاد آتے تھے انہیں آبرو پر جان و تن بڑھ بڑھ کے کرتے تھے نثار
سورماں تھرموپلی کا نام سن پاتے ہیں جب جوش میں آتے ہیں کیا کیا اُنکے دل بے اختیار
آئے ہیں اس معرکہ میں کام جو شیرِ جری نسل میں اُن کی وہی عزت رہیگی برقرار
جو کہ دہلی یا اسائی میں ہوئے ہیں فتحیاب ق ہموطن بھائی ہوں اُن کے یا عزیز و دوستدار
جی چرائینگے نہ ہرگز جان دینے سے کہیں فی المثل گردش گنی طاقت سے بھی ہونگے دوچار
تاکہ فتحِ دہلی و فتحِ اسائی کا شرف قوم میں باقی رہے گو اپنی جاتی ہو تلف

یاد ہوگا سب کو وہ حق کا عتابِ اوّلیں — جس نے ڈالی تھی بشر کی ذاتیں بنیادکیں

تفرقہ نے توڑکر پھینکا تھا سب کو دُور دُور — تھی پڑی جسوقت بن بوئی جتی ساری زمیں

کون ہوگا جس کے دل میں یہ تمنا ہو کہ پھر — ہو وہی پہلا عتاب انسان پر نازل کہیں

قومیں آپسمیں بہت رکھتی ہیں یہاں جو میل جول — اُن کی عقلیں ہوتی جاتی ہیں زیادہ دُوربیں

ایک حاکم کی رعیت دوست ہوتی ہی سدا — گرنہو۔ تو ایک دن ہوجائے گی وہ بالیقیں

قوت اور امن وخوشی ہیں ثمرہ ہائے اتفاق — ثمرۂ نااتفاقی جز ہزیمت کچھ نہیں

نوعِ انساں میں بدی سے جو کہ پھیلا تھا نفاق

کرتا جاتا ہے زمانہ اُس میں پیدا اتفاق

ہی زبردستوں کا یارو بول بالا آج کل — پودسے[۵] کی اصل کیا۔ دیوون کا ہو جس جا خلل

اک ذراسی ٹھیس میں ہوتا ہی کام اسکا تمام — دیو کی جنبش ہی اُسکے حق میں پیغام اجل

دے گر انگلستان کا ساری رعیت سلکے ساتھ — تنگ ہوجائے عدو پر عرصۂ جنگ وجدل

ورنہ وہ ملت کہ جو دو براعظم پر ہے آج — سایہ افگن صورتِ نخل تناور فی المثل

کیا تعجب ہی کہ اُس کا سایۂ دور و دراز — رفتہ رفتہ جائے باہر اپنی سرحد سے نکل

سامنے اُس قوم کے انگلینڈ کی ہی وہ مثال — جیسے اک بالشتیا آجائے پیشِ مردِ یل

وقت پر سب ملکے گر اُس کا نہ دینگے ساتھ یہاں

اک طرف ہو جائے گا پلّہ ترازو کا گراں

---

[۵] یہ روس کی طرف اشارہ ہی۔ انگلینڈ کو پودسے اور روس کو دیو سے تشبیہ دی ہے ۱۲

نوعِ انساں کو ملی ہے جب کہ عقلِ ناتمام — پھر حماقت ہی کہ کیجیے آج۔کل کا اہتمام
بات جو کل ہو چکی اُس کی بھی حسرت ہی عبث — رہتے ہیں آج اسلئے ہر حال میں ہم شادکام
جب کہ اک ہموار رستے پر چلے جاتے ہیں ہم — دائیں بائیں کے بلند و پست سے کیا ہم کو کام
کچھ دنوں سے چڑھ رہے ہیں ہم بلندی کیطرف — کرچکے ہیں قطع تھے یہاں پُر خطر جتنے مقام
آن پہنچے جب بلندی پر تو لازم ہی کہ اب — خوف کا ہرگز رہے باقی نہ دل میں اپنے نام
جب بلندی پر سے دیکھیں جھک کے پستی کیطرف — شکرِ حق لائیں بجا اور رحمت کو بھیجیں سلام

جو خوشی دی ہی خدا نے اُس سے جی ٹھنڈا کریں
یادِ غمہائے گزشتہ سے نہ دل میلا کریں

راگنی اب وقت کی ہم چھیڑتے ہیں برملا — جس سے ظاہر ہو کہ حالت ہند کی ہی آج کیا
اتفاق اور دوستی نے کر دیا ہی سب کو ایک ؎۱ — اور آزادی نے کر رکھا ہے ہر اک کو جدا
مملکت فوجوں سے اور قلعوں سے ہی معمور سب — پایۂ نظم و نسق پہنچا ہے تا فوقِ السما
سر پہ دو تاج ہمایوں ہند کے رکھے گئے — واجبی حق اَلغرض مدت کے بعد اُسکو ملا
برخلاف اُس ؎۲ ملک کی جو ڈھک رہا ہی برف سے — ق — ہر طرف ہی بن ہی بن اور قحط ہی جاندار کا
بھیڑیوں کے غول پھرتے ہیں بنوں میں چیر کے — ۲ — تاکہ جو مل جائے واں آوارۂ دشتِ بلا

؎۱ یعنی سب کو رائے کی آزادی حاصل ہی۔ ہر شخص ایک دوسرے کے اور خود گورنمنٹ کے خلاف رائے دینے کا مجاز ہے گویا آزادی کی حیثیت سے سب جدا جدا ہیں اور اتفاق کی حیثیت سے سب ایک ہیں ۱۲

؎۲ یہ روس کے ویران اور غیر آباد ملک کی طرف اشارہ ہے ۱۲

کر کے چھوڑیں اُس کو ایسا بیکس و بے خانماں

[۳] حشر تک پیارے رہیں فرقت میں اُسکی نوحہ خواں

بارے ایسی ہند کی حالت نہیں زار و نزار ہی موافق اُس کی وسعت کے رعیت کا شمار

فرض کیجیے کُل بنی آدم کے چھ حصے اگر ایک حصہ اُس میں اہلِ ہند پائینگے قرار

ہی یقیں مقدار اسکی اُس سے بھی بڑھ جائے کچھ کیونکہ فتنہ کو نہیں مدت سی ملتا اس میں بار

زندگی کی ریت اب ٹھہریگی شیشے میں سوا پیشتر جسکے نکلنے کا بندھا رہتا تھا تار

اس قدر بندوں کی روزی کا ہمیں کیوں فکر ہو ہی خدا کے حکم پر سب کی معیشت کا مدار

کچھ نہیں تو قحط[۱] کا دورہ سلامت چاہیے بڑھنے پائے گا نہ آدم زاد کا حد سے شمار

یاد رکھ اے منکرِ حق۔ ہے یقیں اصلِ نجات

وسوسوں سے اور کھل جاتی ہی راہِ مشکلات

---

[۱] اس خیال سے مترشح ہوتا ہی کہ شاعر کے نزدیک غریب ہندوستانیوں کی جانیں خضرائے دمن و حشرات الارض سے زیادہ وقعت نہیں رکھتیں۔ کاش وہ ہندوستان کی آبادی گھٹنے کے لیے یہ امید ظاہر کرتا کہ جسقدر تجارت، سیاحت اور علوم و فنون کی ملک میں ترقی ہوتی جائے اُسی قدر یہاں کے باشندے ترکِ وطن اختیار کرتے جائینگے اور اسی طرح رفتہ رفتہ ملک کے باشندوں کی تعداد ایک مناسب مقدار پر آ ٹھہریگی۔ اس بیان میں ایک اور بھی خلل ہی۔ اوپر کے شعر سے ظاہر ہوتا ہی کہ ہندوؤں کی مردم شماری زیادہ ہونے سے اسبات کا اندیشہ ہی کہ ہندوستان کی پیداوار ہندوستانیوں کی خوراک کے لیے کافی نہو اور اس سبب سے بہت سے لوگ بھوک سے مرنے لگیں۔ اس اندیشہ کو وہ اس طرح رفع کرتا ہی کہ جب قحط سالیوں میں لوگ بھوک کے مرتے رہینگے تو مردم شماری بڑھنے نہ پائیگی اور ملک کی پیداوار ملک والوں کو کافی ہوگی۔ گویا بھوک سے مرنے کا علاج بھوک ہی سے مرنا بتاتا ہی ۱۲

ہر کرن سورج کی اور ہر بوند پانی کی ہے یہاں | لاکھوں جاندار نکلے رہنے کو علیحدہ اک جہاں

وہ خدا جس نے بنایا اور پھر پالا اُنھیں | کیا تجھے اور نسل کو تیری نہ دیگا قوت و ناں

ہند کا دریا جو چڑھتا ہے تو چڑھنے دو اُسے | تو یقیں کو اپنے رکھ مضبوط بے وہم و گماں

ہے اگر غلبہ کا کثرت پر رعایا کی مدار[1] | ہند ہو سکتا ہے آدھی ایشیا پر حکمراں

کچھ بھی ہمّت ہو اگر اس میں تو پھر ممکن نہیں | آنکھ اُٹھا کر دیکھ لے کوئی سوئے ہندوستاں

بلکہ خود لیجائے وہ فوج اور لشکر اپنے ساتھ | اور گاڑے جا کے حد میں غیر کی اپنا نشاں

اور اگر کچھ بھی نہ ہو تو بھی کیے جائے بسر
عزّت۔ آزادی۔ بزرگی۔ آبرو سے اپنے گھر

مملکت اتنی ہو جس کی اور رعیت اس[1] قدر | ہو زمیں ساری خدا کی برکتوں سے بہرہ ور

ایسے سلطانِ بلند اقبال فرخ فال کو | اور پھر کیا چاہیے۔ کچھ بھی قناعت ہو اگر

ہے کوئی وادی جہاں میں ہمسر کشمیر آج | یا کوئی گنگا کے میداں سے زمیں زرخیز تر

شہر ہے جو مرکز[2] کشمیر مانند طلسم | طرفہ کیفیت سے ہے لہروں کے ڈل کی جلوہ گر

دیکھتے ہیں آب صافی میں جب اُسکا انعکاس | دوسرا ویسا ہی کا نقشہ صاف آتا ہے نظر

باغِ شالامار۔ جو رونق فزا ہے اُسکے پاس | ہے وہ اک نیرنگ قدرت کا تماشا سر بسر

---

[1] غلبہ کا مدار کثرت رعایا پر نہیں ہے بلکہ رعیت کے ذہن میں یہ بات تہ نشین ہونی چاہیے کہ ہمارے اور گورنمنٹ کے مقاصد متحد ہیں اور ہم پر ہماری ہی بہبودی کے لئے حکومت کی جاتی ہے جب تک رعیت کو اس بات کا یقین نہو۔ کیونکر اُمید کی جا سکتی ہے کہ وہ سلطنت کی جان نثار ہوگی ۱۲

[2] مرکز کشمیر سے مراد شہر سری نگر ہے ۱۲

سبزۂ و نسرین و گل کی سرزمیں کہئے اُسے
صفحۂ گیتی پہ یا خلدِ بریں کہئے اُسے

فی المثل تختہ زمرد کا ہی وہاں اک سبزہ زار
سایہ افگن اس طرح ہیں ہو ہوا اس پر چنار

جھیل کے چاروں طرف جس طرح آتے ہیں نظر
زیر و بالا اونچے نیچے گھر قطار اندر قطار

تھی بنانے سے غرض تیرے یہ اے باغِ نسیم
باغِ جنت کا نہ انساں کو رہے کچھ انتظار

چوٹیاں پربت کی ہیں یوں برف میں لپٹی ہوئیں
جا بجا گویا کھڑے ہیں دیو اور جن بہرہ دار

اُن کی رفعت اور بلندی کی نہیں کچھ انتہا
سینۂ گردوں سے گویا اب نکل جائینگے پار

روزِ روشن میں جب اُن کا جھیل پر پڑتا ہی عکس
نقرئی پانی کے اُس کی پھر کوئی دیکھے بہار

اور پھر جھرمٹ زنانِ مہ لقا کا ہر طرف
(سامنا آفت کا فتنہ کا بلا کا ہر طرف)

جنت اے کشمیر کوئی تجھ سی دُنیا میں نہیں
تو نہیں دیتا بھٹکنے اپنے طالب کو کہیں

ہر چمن یہاں پھول سے اور پھل سے لا مال ہی
ہر چمن میں یہاں مہیا ہیں مکاں بہرِ مکیں

اِن مکانوں اور خیابانوں سے جب آگے بڑھے
پھر وہ عالم ہی جہاں غیر از خموشی کچھ نہیں

جیسے ہوتا ہی اَبَد پر وقت جا کر منتہی
ختم ہو جاتی ہی دنیا بھی یہاں آکر یونہیں

یعنی اقلیم اَبَد اور یہ جہانِ خامشی
طاقتِ انساں کی حد سے ہیں پرے دونوں کہیں

طرفہ سناٹا ہی اُس سنسان کوہستان پر
جس کی دنیا میں نہیں تمثیل کوئی دلنشیں

ہیں سراسر نا پدید آثارِ انسانی یہاں
مُنہ لپیٹے ہیں پڑے اسرارِ یزدانی یہاں

ڈھونڈیئے گر ان پہاڑوں کی بلندی کی مثال | ظاہر ان کا اور انگلستان کا ہی ایک حال
جیسے آدمی کی زمیں سے تا فلک پہنچے ہیں یہ | وہ بھی پستی سے یونہیں پہنچا ہی تا اوجِ کمال
ہی یقیں یہ سے ہی میں ہو جائے کام ان کا تمام | ہو جنھیں اُس کی بلندی تک پہنچنے کا خیال
تا پتی پر آکے انگریزوں نے جب کھولی دُکان | ایک مدت تک ترقی نے نہ بدلی اپنی چال
یعنی اُس دم تک کہ سکھوں سے ہوا گھر اگاڑ | اور دریا ہو گئے پنجاب کے سب خون میں لال
لشکرِ مفسدینہ کی قتل گاہوں پر ہوا | بعد مدت گرم پھر ہنگامہ جنگ و جدال

اہلِ انگلستان کو جھگڑوں سے فرصت کم ملی
امن کو فتنے کے ہاتوں سے فراغت کم ملی

جب بغاوت نے اُٹھایا سر تو اُس سے بھی ہوا | آگ بھڑکی درگ کی اور خون کا دریا بہا
عورتیں اور اُن کے بچے سب بے گنہ مارے گئے | گھر جلے اور دشمنِ جاں ہو گئے خود دست و پا
بھائی بندوں کی جفائیں دیکھ کر غمگیں ہوئے | اہلِ انگلستان کے ساتھی تھے جو اہلِ وفا
اور ہزاروں نے یہ باندھا تھا کہ منصوبہ کبیر | عزت انگلستان کی اب خاک میں دیجئے ملا
صفحۂ ہستی سے نام اُن کا مٹانے کے لئے | ہو گیا تیار جان و دل سے ہر چھوٹا بڑا
لیکن اُن کی گھات میں تھا پنجۂ قہر و غضب | پھنس گئے پنجہ میں اُس کے یک بیک اہلِ خطا

پلہ انگلستان کا ہو کر رہا آخر گراں
گرتے گرتے تھم گیا اقبال کا اُس کے نشاں

گو ہوئی دلی پہ حاصل برملا فتح و ظفر | پرچمِ اقبال لہرانے لگا پھر بے خطر

پر نہ اُس فتحِ نمایاں کا ہوا اعلان کچھ
وسوسوں سے دل رہے سب اِس لیئے زیر و زبر

چونک چونک اُٹھنے لگے راتوں کو بدخوابی سے لوگ
کر گئی دنیا سے گویا فارغ البالی سفر

صبح کے ہوتے ہی سب کافور ہو جاتی تھیں وہ
شکلیں ہیبتناک جو راتوں کو آتی تھیں نظر

رائے یہ ٹھہری کہ پائے اب وہ قیصر کا لقب
تابع فرماں ہیں جس فرماں روا کے بحر و بر

قوتِ بازو سے جو حاصل کیا ہی قوم نے
وہ ہمایوں تاج رکھا جائے اُس کی فرق پر

تاکہ سب جانیں کہ رخصت ہند سے فتنہ ہوا
عہد انگلستان کا جو کچھ کہ تھا پورا ہوا

اِس نوید روح پرور کی اشاعت کے لیئے
ہند میں آیا پرنس آف ویلز انگلستان سے

ایلبرٹ اڈورڈ جس کے دو وہ اقبال ہیں
سو جلیل القدر سلطاں اب سے پہلے ہو چکے

جس کے دادا نے کیا زیر و زبر نظمِ فرانس ۱
اور تباہی لقب جس کا پتے اس جنگ کے

دی فرانسیسوں کو جس میں زک وہ انگلستان نے ۲
جس سے واقف ہیں فرنگستان کی چھوٹے بڑے

حاکمِ بوھیمیا کی چھین لی تھی جس میں ڈھال ۳
خود ولی عہدِ زماں نے یاری اقبال سے

جس پہ کلمے اعترافِ بندگی کے برملا ۴
حاکمِ بوھیمیا کے دستخط سے ثبت تھی

جمع تھے جس ذات والا میں فضائل اِس قدر
وہ ہوا مامور اِس کارِ عظیم الشان پر

وہ مبارک وقت جب لنکا سے نے کر بادبان
اُس کے آنے کی خوشی میں محو تھی سب مرد و زن

راگ گائے جاتے تھے ہر سو مبارک باد کے
جوش شادی میں در و دیوار تک تھے نغمہ زن

شہر میں جنگل میں ہر میدان اور ہر راہ میں ۔ جمع تھی اُس کے لیئے خلق انجمن در انجمن

وہ سُہانے بول شہنا کے وہ باجوں کی جھڑی ۔ پڑ رہی ہی جن کی گویا کان میں اتبک بھرن

دیکھ چکے ہیں اس ہمایوں جشن کے نقشے بہت ۔ میں بھی اے وکٹوریا اے فخرِ شاہانِ زمن

چاہتا ہوں کھینچنا خاکہ اک اُس دربار کا ۔ جس میں کی تو نے قبائے قیصری زیبِ بدن

جس میں تیرے نام کا ڈنکا بجایا قوم نے

جو کہا تھا مُنھ سے آخر کر دکھایا قوم نے

دولت اور وقت کا مناظرہ

ایک دن وقت نے دولت سے کہا　　سچ بتا تجھ میں ہے فوقیت کیا

تو ہی سرمایۂ عزت یا میں　　تو ہی انسان کی دولت یا میں

ہے زمانہ میں بڑی بات تری　　دیکھیں ہم بھی تو کرامات تری

وقت سے ہنس کے یہ دولت نے کہا　　تجھ کو اے وقت نہیں عقل ذرا

ہے عجب جس کو خدائی مانے　　اُس کی تو خوبیوں میں شک جانے

سبز ہے گلشنِ دنیا مجھ سے　　لیتے ہیں توشۂ عقبیٰ مجھ سے

نام اقبال ہے آنے کا مرے　　لقب ادبار ہے جانے کا مرے

مجھ سے پاتے ہیں ہنر نشو و نما　　علم بھی ایک طفیلی ہے مرا

لاکھ رکھتا ہو کوئی فضل و کمال　ق　لاکھ رکھتا ہو کوئی حُسن و جمال

خوبیاں لاکھ کسی میں ہوں مگر　　میں نہ ہوں۔ تو نہیں کچھ قدر بشر

چند روز آگئی میں جس کے کام　　زندہ تا حشر رہا اُس کا نام

جس سے مجھ کو نہ سروکار رہا　　وہ سدا خوار و نگوں سار رہا

موہنہ ذرا جس کو لگا لیتی ہوں　　اُس کی میں شان بڑھا دیتی ہوں

چاہتے ہیں مجھے سب خرد و کلاں　　پھرتے ہیں دھن میں مری پیر و جواں

گر نہ ہوں میں تو کوئی کام نہ ہو　　کبھی آغاز کا انجام نہ ہو

کوئی حاجت نہ ہو دنیا کی روا　　درمیاں گر نہ قدم ہو میرا
ہیں رکھائی سے مری سب لرزاں　　میرے اغماض سے ڈرتا ہی جہاں
جس سے دنیا میں نہیں راہ کروں　　ہو اگر شیر تو روباہ کروں
الغرض ہی مری وہ شانِ عظیم　　کرتے آئے ہیں جسے سب تسلیم
جز سمجھتے ہیں خوشی کی مجھ کو　　میری عظمت نہیں باور تجھ کو
تو بتا فخر ہی تجھ میں وہ کیا　　جس نے مجھ سے تجھے گمراہ کیا

وقت نے سن کے کہا اے دولت　　شک نہیں اس میں ذرا اے دولت
ساری تو خوبیوں کی جڑ ہی مگر　　اپنی جڑ کی نہیں کچھ تجھ کو خبر
تو جو اپنے پہ ہے نازاں اتنی　　اپنی ہستی سے ہی غافل کتنی
کیجئے فرض سب تجھے گر چشمہ　　تو ہوں اُس چشمہ کا میں سرچشمہ
میں ہوں یا تو ہی اساسِ امکاں　　پہلے دریا ہے کہ مچھلی ناداں
تو جو موتی ہی تو دریا میں ہوں　　تو جو کھیتی ہی تو رقبہ میں ہوں
ہی قرابہ ترا اگر عطر آگیں　　میں ہوں اُس عطر کی واللہ زمیں
ہی عبث تجھ کو تعوق کا خیال　　تو ہی گر مال تو میں راس المال
جن کے قبضہ میں ہوں میں ای دولت　　تجھ پہ رکھتے ہیں وہ دستِ قدرت
لاکھ بار اُن سے اگر بھاگے تو　　بڑھ کے جا سکتی نہیں آگے تو

اُن کی مٹھی میں ہی تو اے دولت | طائر رشتہ بپا کی صورت
نہ کہ میں جس کا بدل ہے مفقود | جس کا نایاب ہی عالم میں وجود
کھو کے مجھ کو کوئی پاتا نہیں پھر | جا کے میں ہات سے آتا نہیں پھر
ایک پل میری اگر دیجئے گنوا | لیجے ہات اُس سے ہمیشہ کو اٹھا
تو اگر اپنی لُٹا دے ثروت | پل وہ ملتی نہیں پھر اے دولت
ہیں اسی واسطے جو اہلِ تمیز | میری ایک ایک پل ہی اُن کو عزیز
میرے جو لوگ کہ ہیں قدر شناس | ہی مرا جاگتے سوتے اُنھیں پاس
جانتے ہیں حکما و عرفا | مجھ کو سرمایۂ دین و دُنیا
دل میں جن کے مری کچھ قدر نہیں | اُن کی قسمت میں نہ دنیا ہی نہ دیں
نہ کوئی کام ہو اُن سے انجام | نہ ارادہ ہو کوئی اُن کا تمام
نہ اُنھیں دین کی دولت ہات آئے | اور نہ دنیا کبھی اُن سے پٹ پائے
نہ ادا صوم ہو اُن سے نہ صلوٰۃ | نہ ہو قدرت میں حج اُن کی نہ زکوٰۃ
نہ مدد اُن سے کچھ اپنی کی جائے | نہ خبر اُن سے کسی کی لی جائے
گُن تو ہیں مجھ میں بہت اے دولت | ہی مگر تنگ مجالِ فرصت
بس زیادہ نہیں مہلت مجھ کو | بحث کی اب نہیں طاقت مجھ کو
اس میں ہی میرا سراسر نقصاں | کہ ہی انمول مری ایک اک آں

مولانا حالی مرحوم کی دیگر تصنیفات

جو
ایم اے او کالج علی گڑھ بک ڈپو سے مل سکتی ہیں

حیاتِ جاوید - یعنی سوانح عمری سرسید مرحوم مُصنّفہ مولٰنا خواجہ الطاف حسین حالی مرحوم یہ کتاب دو جلدوں میں ۶۰۰ صفحات پر ختم ہوئی ہے۔ پہلی جلد میں ولادت سے وفات تک کے واقعات درج ہوئے ہیں اور دوسری جلد میں سرسید کی لائف اُن کی تصنیفات اور اُن کے کاموں پر ریویو کیا گیا ہے اس کتاب کی تعریف میں اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ مولانا خواجہ الطاف حسین حالی کے آخری زورِ قلم اور دہلی مرحوم کی اُردوئے معلّٰی کا اعلیٰ نمونہ ہے جو کامل دس برس کی مسلسل محنت اور بے انتہا کوشش سے تکمیل کو پہنچا ہے۔ طبع دوم بلا جلد قیمت .... (للعہ)

یادگارِ غالب - شمس العلماء مولٰنا خواجہ الطاف حسین حالی مرحوم کی نئی تصنیف جس میں اُنھوں نے حیاتِ سعدی کی طرح اوّل مرزا غالب مرحوم کے واقعات زندگی تحریر کیے ہیں پھر مرزا کی اُردو اور فارسی نظم ونثر کا انتخاب شامل کیا ہے اور ہر ایک صنفِ کلام پر نہایت خوبی سے ریویو کیا ہے۔ اس کے ساتھ مرزا کی تصویر بھی شامل ہے۔ طبع جدید۔ کاغذ ولایتی سفید بلا جلد قیمت .... (سعہ)

کلیاتِ اکبر - یعنی مجموعۂ کلام عالی جناب خان بہادر مولوی سید اکبر حسین صاحب پنشنر جج۔ جس میں شروع سے حال تک کی کل غزلیں رباعیات، قطعات مثنویات مواقع خاص کے اشعار، متفرقات، اور ظرافت کی نظمیں درج ہیں مصنّف موصوف کے کلام کو جو قبولیت عام فی زماننا حاصل ہی وہ محتاج توصیف و توضیح نہیں ہی بلا جلد کاغذ سفید نہایت خوشخط (عہ)

کلیاتِ اکبر جلد دوم - جس میں بعد کو نظمیں اور تازہ کلام درج ہیں بلا جلد قیمت (عہ)

مسدس حالی معۂ ضمیمہ - شمس العلما مولنا خواجہ الطاف حسین صاحب حالی کی نہایت مشہور اور مقبول نظم جس میں انھوں نے مسلمانوں کی گزشتہ ترقیوں اور موجودہ تنزل کو نہایت فصاحت اور بلاغت سے بیان کیا ہی طبع جدید معۂ ضمیمہ و فرہنگ بلا جلد کاغذ ولایتی نہایت خوشخط قیمت (۱۲/)

شکوۂ ہند - مولانا خواجہ الطاف حسین حالی کا مشہور ترکیب بند ہی معۂ قصیدہ الغیاث (عہ/)

ایک بیوہ کی مناجات - شمس العلما مولنا خواجہ الطاف حسین حالی مرحوم کی مشہور نظم ہی۔ ایک بیوہ خدا کے سامنے اپنی دردناک حالت دردناک الفاظ میں بیان کرتی ہی قیمت (عہ/)

نظمِ حالی و نظمِ نذیر - شمس العلما مولانا خواجہ الطاف حسین صاحب حالی اور شمس العلما مولانا حافظ نذیر احمد صاحب ایل ایل ڈی کی وہ نظمیں جو ایم اے او ایجوکیشنل کانفرنس کی اجلاس ہفتم میں پڑھی گئی تھیں جن سے حاضرین پر بہت زیادہ اثر ہوا تھا۔ قیمت (۲/)

نظیر اکبرآبادی :- بہترین قابلِ قدر مجموعہ - تقریباً ۶ سو صفحات (سے/)

ملنے کا پتہ

منیجر صاحب بک ڈپو ایم اے او کالج علیگڑھ

فہرست کتب مجوزہ و پسند کردہ انجمن ترقی اردو

موجودہ بک ڈپو مدرسۃ العلوم علی گڑھ

فلسفہ تعلیم۔ ڈاکٹر ہربرٹ اسپنسر کی کتاب ایجوکیشن کا اردو ترجمہ۔ مترجمہ خواجہ غلام الحسنین صاحب (عہ)

رہنمایان ہند۔ یہ کتاب ایک انگریزی رسالہ موسومہ پروفٹس آف انڈیا مؤلفہ بابو منمتھ ناتھ دت ایم اے آر ایل ایس رکٹر کیشب اکوڈمی کا اردو ترجمہ ہی مترجمہ بابو نارائن پرشاد صاحب ورما (عہ)

الکھمر۔ یعنی چاند کے حالات بموجب تحقیقات جدیدہ مؤلفہ مولوی راحت حسین صاحب بی اے (عہ)

مصباح القواعد۔ یعنی اردو گریمر۔ مرتبہ مولوی فتح محمد خاں صاحب جالندھری اردو صرف و نحو میں جسقدر کتابیں اب تک لکھی گئی ہیں اُن سب سے بہتر اور جامع کتاب ہی۔ قیمت - - - - - (عہ)

نپولین اعظم۔ نپولین اعظم شہنشاہ فرانس کی سوانح عمری سب سے بہتر انگریزی میں ایبٹ صاحب نے لکھی تھی اُس کا ترجمہ اردو مولوی معین الدین صاحب اسسٹنٹ ماسٹر سلہٹ و مترجم کتاب اورنگ زیب نے کیا ہی جو پانچ جلدوں میں طبع ہوئی ہی۔ قیمت جلد اول عہ جلد دوم عہ جلد سوم عہ کل عہ
جلد چہارم عہ جلد پنجم عہ

امراء ہنود۔ یعنی اُن ہندو امراء کے حالات جو سلطنت مغلیہ میں ممتاز عہدوں پر سرفراز تھے مرتبہ و مؤلفہ منشی سعید احمد صاحب مارہروی مطبوعہ نامی پریس کانپور۔ قسم اول اعلیٰ درجہ کے (ایوری فنش) کاغذ پر بلا جلد قیمت (سے) قسم دوم ولایتی سفید کاغذ پر بلا جلد قیمت (عہ)
قسم سوم خبر ہنی سفید کاغذ پر بلا جلد قیمت (عہ)

القول الاظہر ترجمہ الفوز الاصغر مترجمہ مولوی حکیم محمد محسن صاحب فاروقی پروفیسر عربی و فارسی ایم کالج اندور مطبوعہ مفید عام پریس آگرہ، کاغذ سفید بلا جلد قیمت .... (عہ)

ملنے کا پتہ:۔ آنریری منیجر بک ڈپو مدرسۃ العلوم علی گڈھ